

ALAM KUNG ESTATE LIBRARY
 Oriental Section
 URDU PRINTED BOOKS
 Accession No. 1111
 Subject

برکاتِ ام

یعنے شیخ محمد یوسف ایڈیٹر و مصنف سوانح عمری باوجود انکے حضرت اشد علیہ۔ یا و انانک حضرت اشد کا
 مذہب۔ گوردکی بانی رست ایدیش۔ مسلمانوں کے احسان بھگتوں پر بد و قیسہ رام دو کے چھ
 سوالوں کا جواب۔ فتح حسین۔ قرآن مجید اور ویر۔ رد تنازع۔ ہندو دھرم و سراج
 وید و قربانی۔ قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم۔ آریہ مذہب کی حقیقت۔ آریہ دھرم کا
 فوٹو۔ ہندو دھرم کی حقیقت۔ سکھ اور مسلمان وغیرہ کا وہ لیکچر جو احمدیہ مرکزی سالانہ جلسہ
 قادیان میں ۳۶ دسمبر ۱۹۲۶ء پر عنوان ”ہندو تمدن و تہذیب پر اسلام کا اثر“ دیا گیا۔
 ادھاب دوستوں کے اصرار پر مناسب اصلاح اور اضافہ کے ساتھ کتابی صورت میں
 شائع کیا جاتا ہے۔

۱۹۲۷ء

باہتمام شیخ غلام حسین پر نظر روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں چھپا۔

قیمت فی کاپی - - - ۶

اسلام کا نورانی چہرہ

آج وطنی دوستوں کی طرف سے اسلام پر جو گہناؤں اور دلخراش الزامات لگائے جاتے ہیں۔ اسے پڑھ اور سن کر ہر ایک بھی خواہ اسلام کا جگر پاشش پاش ہو جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہماری اسلام کے ساتھ کوئی اندھی محبت ہے بلکہ اس لئے کہ درحقیقت اسلام ہر دو جہان کے لئے چترہ رحمت و برکت ہے کیونکہ اسلام نے دنیا کی کاپاپلٹ دی۔ اور لوگوں کو حیوان سے انسان اور انسان سے باخدا انسان بنا دیا۔

لہذا آپ اس مختصر رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ اور تو اور مخالفوں کے دلوں میں بھی اسلام کی خوبیاں گہر کر گئیں۔ اگر زبان سے نہیں مگر عمل سے انہوں نے بھی اسلام کے سامنے اپنے سر جھکا دیئے۔ ایسے رسالوں کی جس قدر بھی اشاعت ہو اتنا ہی زیادہ اسلام کا بول بالا ہو گا۔ اس موقع پر ان دوستوں کا شکریہ ادا نہ کرنا ایک صریح ناسپاسی ہو گی۔ جن احباب نے پیشگی درخواستیں بھیج کر اس مفید رسالہ کے چھپانے کے لئے میری علی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ایسے سب دوستوں کو دین و دنیا کے حسنات سے مالا مال فرما دے

امین ثم امین

خاکسار

محمد یوسف ایڈیٹر اخبار نور قادیان ضلع گورداسپور

تفقیہ
۱۹۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
۱۰۱۲۷
نَحْمَدُكَ نُصَلِّیْ ۚ
لَا رُوْلَہُ الْکَیْنِط

ہندو تہذیب و تمدن پر اسلام کا اثر

سالانہ جلسہ پر میں بوجہ تنگی وقت اپنے لیکچر کو مختصراً بیان کر سکا تھا۔ اب نسبتاً زیادہ مکمل صورت میں پیش ہے۔ خدا اسے قبولیت بخشے۔ آمین

یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ قدیمی ہندو میا آدمیوں کو فن تالیخ نویسی سے بہت ہی کم لگاؤ تھا۔ ہندو قوم جس کی تالیخ بہت پیچہ اندھیرے میں ہو۔ اسکے تمدن اور تہذیب کا کما حقہ خاکہ ناظرین کے سامنے کھینچنا بہت حد تک مشکلات کو چاہتا ہے۔ اور اسکے لئے بہت مطالعہ جستجو اور سعی کی ضرورت تھیں۔ وید مقدس منوشا ستر اور راماین ہما بھارت یا پھر دیگر سیاحوں اور مؤرخوں کے نوشتے ہماری مشکلات کو ایک حد تک ہلکا کر دیتی ہیں۔ اور اسلئے ہی ان واقعات کو سامنے لا کر ہمیں ایک گونہ تسلی ہو جاتی ہے۔ کہ یہ واقعات ان معتبر کتب سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ جو ہزاروں سالوں سے ہماری آریہ دوستوں کی عقیدت کا مرکز چلی آ رہی ہیں۔ ہذا ایسے اقتباسات ہمارے ہندو بھائیوں کے لئے بہر کیف تسلی کا موجب ہونے چاہئیں۔ ان گزشتہ مجلسی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ تمدنی رسومات کا موجودہ ہندو مذہب کی ان مذکورۃ الصدد شقوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ہم کے ہندو مذہب کو پراچین کال یا قدیمی زمانہ کے ہندو مذہب سے بہت حد تک جدا ہے۔

ہیں۔ یاد دوسرے الفاظ میں ہندوستان میں اسلام کے ورود کے قبل جو ہندو مذہب کا مرتفع ہے۔ جب ہم اسلام کے بعد ہندو مذہب کے نقشہ پر نظر ڈالتے ہیں تو بلاشبہ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد ہندو مذہب میں بعد المشرقین ہے۔ اور اس میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ زمین و آسمان میں ہوتا ہے۔ یقیناً اسلام کے تمدن اور تہذیب نے ہندو مذہب کا نقشہ ہی بدل دیا۔ گویا دنیا ہی کچھ اور کی او ہو گئی۔ یہ میں ہی نہیں کہتا۔ بلکہ جو شخص ہی میری طرح تصدیق الگ اور خالی الذہن ہو کہ اسلام سے قبل کے ہندو مذہب اور اسلام کے بعد کے ہندو مذہب پر نظر ڈالیں گے۔ تو وہ بدوں کسی تردد اور تامل کے میرے ساتھ اتفاق کرے گا۔ لہذا اب میں ان برہمنہ واقعات کو دوستوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ جن سے اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد کے ہندو مذہب پر روشنی پڑتی ہے۔ اور مجھے توقع نہ کہنی چاہیے۔ کہ آپ صاحبان ہندو دل سے اس پر غور کریں گے۔ لہذا میرے لئے ضروری ہے کہ اسلام سے قبل ہندو مذہب جن مختلف مدارج سے گزرا ہے۔ اس کا اجمالی تبصرہ دوستوں کے سامنے رکھوں۔ اگرچہ پانچ ہزار سال کے واقعات کو ایک گھنٹہ میں بیان کرنا یا چند اوراق میں قلمبند کرنا یہ ایسا ہی مشکل ہے۔ جس طرح کسی دشوار گزار راستہ کا چند منٹوں میں عبور کرنا۔ مگر اس کے لئے ایک آسان صورت ہی ہے۔ وہ یہ کہ دشوار گزار راستے جنہیں ہم ہمینوں کی مسافت سے ہی طے نہیں کر سکتے ہاں چند منٹوں میں اپنی نظر سے گزار سکتے ہیں۔ ایسے ہی موقع پر ایک پنجابی شاعر نے یہ فلسفیانہ مصرع وضع کیا ہے۔

اگھیاں تھیں نیڑے تیرے قدامتیں دور سے

یعنی اسے مطلوب تو پاؤں کے فاصلہ سے بہت دور ہے۔ مگر دیکھنے میں تو قریب تر ہے۔ لہذا میں انشاء اللہ پانچ ہزار کے واقعات کو خدا کے فضل سے ایک گھنٹہ میں نظر سے گزار دوں گا۔ گو ہو سکتا ہے۔ کہ آج کل کے گرم حلوہ کھانے والوں کو پانچ ہزار سال قبل کے گڑ میں چنداں مرزہ نہ آئے۔ مگر اس میں ہی کوئی کلام نہیں کہ حکماء

کے نزدیک جعفری ہی پُرانا گڑھ ہو وہ بعض اوقات اکسیر سے ہی زیادہ فوقیت لے جاتا ہے۔ لہذا میں آج حاضرین و ناظرین میں پانچ ہزار سال قبل کے گڑھ کو تقسیم کر رہا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ دوست اس قدر پُرانے اور بوسیدہ اور کہنہ گڑھ کی شکل کو دیکھ کر ناک بھوں نہیں چڑھائیں گے۔ بلکہ اس کے فوائد کو مد نظر رکھ کر خوشی سے قبول کرینگے۔

اسلام کے مبارک ورود سے قبل یہ ہندوستان جن مختلف مذہبی۔ تمدنی۔ سیاسی مزارج سے گزرا مختلف الفاظ میں وہ ان شقوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے

(۱) برہمنی مذہب یا ویدک دھرم۔

(۲) دام مارگ۔

(۳) بدھ و جین مت۔

(۴) شومت۔

(۵) ویدانت مت۔

(۶) ہندوؤں کے دیگر مختلف فرقے۔

(۷) موجودہ آریہ سماج۔

لہذا میں پہلے برہمنی مذہب پر نظر ڈالتا ہوں۔

توحید اور ویدک دھرم ویدک دھرم میں خالص توحید مفتودہ تھی۔ ہاں عناصر پرستی کے گیت ہنایت فراخدی سے گائے جاتے تھے۔ زمین۔ پانی۔ سورج۔ ہوا۔ آگ وغیرہ کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ بلکہ انہیں شیا کو اپنا حاجت روا بھی سمجھا جاتا تھا۔ اور تو اس بیسویں صدی کی آریہ سماج کی چھان بین جرح قدح ہی ویدوں کی اس نمایاں خصوصیت کو کم نہیں کر سکی۔

چنانچہ دی سولیزیشن آف ان شنٹ انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کا نام مصنف پنڈت۔۔۔ چندر دت صاحب سی۔ آئی۔ ای جو سنسکرت کے عالم یے بدل میں۔ اپنی اس کتاب کے چھٹے باب میں آریوں کی عناصر پرستی پر بخوبی روشنی ڈالتے ہیں۔ اور نیز آریوں کا مشہور آریہ گزٹ اپریل ۱۹۰۶ء میں دھرم دھارت کے غنہ

سے انفرادی وید کا نڈ ہنتم (ادواک) سوکت ۶ منتر ۳ کا مطلب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ انسان وسیع و عریض زمین کو اپنا مضبوط محفوظ رکشک (محافظ) سمجھے۔ فضا کو اکٹڈت (منزہ) تصور کرے۔ وغیرہ۔ اور قدت کو رب سے بڑھکر سمجھ دینے والی خیال کرے۔
اب ابجگہ عناصر پرستی کے بوراگ گائے ہیں۔ وہ صاف ظاہر ہیں۔ ہاں ایک جگہ قدرت کا لفظ لایا گیا ہے۔ جو غالباً نیچر کا قائم مقام ہے۔ اور ایسی قدرت کو تو کئی دہریہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ویدوں میں عناصر پرستی کی تعلیم ہے۔ اور توحید کی جھلک۔ اول تو ہے ہی نہیں۔ اور اگر ہے ہی تو وہ مشتبہ اور ماند ہے۔
آریہ گزٹ نے لوگوں کے اس کہنے کے صاف الفاظ میں تائید کر دی ہے۔
نیز علاوہ ازیں چار ویدوں میں سے مقدم اور پُرانا گوید ہے۔ اس کا پہلا منتر یہ ہے۔

آخری مشیر پر وقفا حتم

یعنی آگ ہمارا گورہ ہے۔ اس کے علاوہ پھر دیکھو۔ گوید منڈل اسوکت ۶ ۳ فقرہ ترجمہ
سوامی دیانند صاحب جو..... اپنے راہیہ گیان دان میر مجلس کی ہی ایسا سنا (عبادت) کرتے ہیں..... دے لوگ ریندارساں دشمنوں کو اچھے طور جیت کر پار ہو سکتے ہیں۔
ان مذکورۃ الصدر حوالبات میں جس قدر عناصر پرستی اور انسان پرستی پر زور دیا گیا ہے۔ وہ صاف اور یقیناً اور کسی تشریح سے بے نیاز ہے۔
اس کے بعد دام مارگیوں کا دور شروع ہوا۔

دام مارگ مت کیا تھا۔ اور اسکے بجا عقائد تھے۔ میں اس کی
دام مارگ مت نسبت یہی کہوں گا۔ کہ اس کی تشریح کرنا مسلم تہذیب سے بعید ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ مذہب اور اس مذہب کے عقائد انسانیت کے لئے موجب عار تھے۔ جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک انسان گہری تشویش میں پڑ جاتا ہے۔ کہ کیا انسان کہلانے والے کبھی اس قدر ہی تنزل کر چکے ہیں۔ اگر آپ کو اس کی تشریح مطلوب ہو تو آپ پھر سوامی دیانند صاحب کی مشہور تصنیف ستیا رتھ پرکاش

کے گیارہویں سمولاس میں دام مارگیوں کا ذکر ملاحظہ کریں۔ مختصر یہ کہ سوامی صاحب اپنی اس کتاب میں دام مارگیوں کے عقائد کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ

اس قسم کے پاگل اوپرے درجے کے وحشی.... انسان ہی
دُنیا میں بہت کم ہوں گے۔“

ناظرین آپ یہ خیال نہ کریں۔ کہ یہ سب باتیں انہوں نے دیدوں سے علیحدہ کر رکھی نہیں ہیں بلکہ ایسی تعلیم کو وہ اپنے خیال میں دیدوں سے ہی ثابت کرتے تھے۔ چنانچہ سوامی دیانند کے اپنے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

”پھر جب ان لوگوں کا مذہب بہت پہیلا۔ تب فریب کر کے دیدوں کے نام سے بھی دام مارگ کی تھوڑی سی لپلا۔ چائی۔ یعنی سوترامنی یگیہ میں شراب پیوے۔ پر وکشت یعنی بگ میں گوشت کھانے میں عیب نہیں ہے۔ ایسے ایسے قول ہی رشیوں کی کتابوں میں ڈال کر کہتے ہی رشی مینوں کے نام سے کتابیں بنا کر اشوبہ دھ کے نام کے یگیہ بھی کرانے لگ گئے تھے۔ یعنی ان حیوانوں کو مار کر ہوم کرنے سے یہ کمان اور حیوان کو بہشت ملتا ہے۔ وید کے معافی نہ سمجھنے کے بارے میں سوامی دیانند باب ۱۱ دفعہ ۱ میں لکھتے ہیں۔ لیکن ان سچے معافی کو وہ بھل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو خود غرض خیال دے ہوتے ہیں۔ وہ سوائے اپنی غرض پورا کرنے کے دوسری کچھ بھی بات نہیں جانتے۔ اور نہیں مانتے۔“

شوموت

اس کے بعد شوموت کا آغاز ہوا۔ جس کے متعلق سوامی دیانند ستیا رتھ پرکاش سمولاس ۱۱ دفعہ ۲ میں لکھتے ہیں۔

دام مارگی دیوی کی عبادت کرنے والے ہوئے۔ اور شوہا دیوی کی عبادت کرنے والے ہوئے۔ اور سُنیئے۔!

یہ دونوں روڈ آکھش اور بہسم رفاک، آج تک لگاتے ہیں۔ لیکن جتنے دام مارگی

وید کے مخالف ہیں۔ وہ بے شو نہیں ہیں۔ ان کا یعنی شوؤں کا اعتقاد ہے۔ کہ جس کے ماتھے پر بھسم اور گلے میں رودراکش نہیں ہے۔ اس پر لعنت ہے۔ اسکو چندال کی مانند ترک کرنا چاہیے۔ جو گلے میں بتیس۔ سر میں چالیس۔ چھ چھ کانوں میں بارہ بارہ ہاتھوں میں۔ سولہ سولہ بازوؤں میں۔ ایک چوٹی میں اور چھاتی پر ایک سو آٹھ رودراکش پہنتا ہے۔ وہ ہو ہوا دیو کی مانند ہے۔ آگے چلکر سوامی دیانند صاحب لکھتے ہیں۔ کہ۔ ان بے شرموں کو ذرا ہی شرم نہ آئی۔ کہ یہ مکروہ کام ہم کیوں کرتے ہیں۔ ہمتہ زادہ اکشن صاحب نے جو سوامی دیانند صاحب کی سوانح عمری تصنیف کی ہے۔ اس کے صفحہ ۵ پر آپ یہ لکھتے ہیں۔ کہ سوامی دیانند صاحب ہی شومرت کے پیرو رہ چکے ہیں۔ اور لوگوں کو اس مت کا پیرو بنا کر ہزاروں رودراکش کی مالائیں اپنے ہاتھ سے تقسیم کیں۔ ہمارا ج رام سنگھ نے بھی آپ سے ہی اس مت کو قبول کیا۔

بدھ مذہب کا آغاز { اس بارہ میں سوامی دیانند کے الفاظ یہ ہیں۔ جب ان پوپوں کی ایسی بدافعالیاں دیکھیں۔ (تو) ایک سخت غضب ناک وید وغیرہ شاستروں کی مذمت کر نیوالا بدھ یا جین مت رائج ہوا۔ اور بدھ نے جو سنکرت زبان کا سب سے بڑا فاضل اہل تھا جس کے بارے میں لالہ لاجپت کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر گیان کا ذخیرہ اکٹھا کرنے لگا۔ ہندوستان کی درش و دیامیں جو کچھ تھا۔ اس کو اس نے مطالعہ کیا۔ مگر اطمینان نہ ہوا۔ ویدک مت کی مذمت شروع کی۔ اور یقول سوامی دیانند باب (دفعہ ۲۰) ویدوں کی ہی مذمت کرنے لگے۔ اس کے بڑے بڑے ہاتھ یگیو پوہیت وغیرہ اور برہمنچریہ وغیرہ اصولوں کو ہی تباہ کیا۔ جہاں جتنی کتابیں وید وغیرہ کی پائیں۔ انکو تلف کیا۔ آریوں پر بہت سارا زور حکومت ہی چلایا۔ تکلیف دی۔ جب ان کو خوف و خطر نہ رہا۔ تب اپنے مت والے گہستی اور ساد ہوؤں کی عزت اور وید کے پیروؤں کی بے عزتی کرنے اور طر فدا ہی سے سزا بھی دینے لگے۔ اور خود ہی عیش و آرام میں اور غور میں پھول کر پھرنے لگے۔ رشو و سے لیکر ہمارے تک اپنے تیر تھوں کے بڑے بڑے بت بنا کر

پرستش کرنے لگے، یعنی پاشان وغیرہ مورتی پوجا کی بنیاد جینیوں سے پھیلی پریشور
کا ماننا کم ہوا۔ پتھر وغیرہ کی معنی مورتی پوجا میں مصروف ہوئے۔ ایسی طرح تین سو
برس تک آریہ ورت میں جینیوں کی سلطنت رہی۔ بہت لوگ وید کے علم وغیرہ
سے ناواقف ہو گئے تھے۔ یہ لوگ ویدوں اور خدا کے شکر تھے۔ اور اہستیا پر مو
دہرما یعنی کسی کو ابدا نہ دینا یہ انکا بڑا عقیدہ تھا۔

سوامی دیانند کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔
شکر آچار یہ کا ٹھہرو باب ۲ دفعہ ۲ اور ۲۲ کئی سو برس کا زمانہ گذرا کہ ایک
شکر آچار یہ درادڑ (مالا بار) ملک میں پیدا شدہ براہمن برہمچریہ سے دیا کرن وغیرہ
سب شاستروں کو پڑھ کر سوچنے لگے۔ کہ آیا سچے پریشور کے معتقد وید مت کا چھوٹنا او
بدھ و جین پریشور کے نہ ماننے والے متوں کا رائج ہونا بڑے نقصان کی بات ہوئی
ہے۔ اس کو کسی طرح رفع کرنا چاہیئے؟

مگر شکر آچار یہ کا مذہب سوامی دیانند کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ چنانچہ
وہ اسی سملاس ۱۱ دفعہ ۲ میں لکھتے ہیں۔ شکر آچار یہ کا مت تھا کہ اذلی سدھو پاتا
ہی دنیا کا صانع ہے۔ یہ دنیا اور جیو جھوٹا ہے۔ کیونکہ اس پریشور نے ربی مایا سے
دنیا بنائی۔ وہی پرودہ ش اور فنا کرنے والا ہے۔ اور یہ جیو یہ تیج خواب کی مانند ہے۔
پریشور خود ہی رب جگت روپ (شکل عالم) ہو کر لیلار کھیل کر رہا ہے۔

یعنی یہ الفاظ دیگر شکر آچار یہ روح و مادہ کی قدامت کا منکر اور ہمہ اوست
کا قائل تھا۔ جو موجودہ آریہ مت کے صریح مخالف اعتقاد ہے۔ گویا کہ شکر آچار یہ نے
بڑے غور و خوض کے بعد وید کا جو اعتقاد دنیا پر ظاہر کیا۔ وہ موجودہ ویدک مت کے
قطعی مخالف تھا۔ مگر سوامی دیانند اسی کو وید مت بیان کرتے تھے۔ اور انکے اعتقاد
میں اسی وقت سے لگ بھگ پوریت ہونے لگے۔ اور ویدوں کی درس و تدریس نے رواج
پکڑا۔ دس سال کے اندر سارے آریہ ورت ملک میں گھوم کر جینیوں کی تردید و ویدوں
کی تائید کی۔

شکر آجاریہ کا ظہور آٹھویں صدی کے اخیر میں ہوا۔
 یہ امر واقعہ ہے کہ شکر آجاریہ نے جو توحید کا عقیدہ لوگوں کے سامنے
 پیش کیا۔ وہ ویدوں کا عقیدہ نہیں تھا۔ انھوں نے یہ تعلیم ویدوں سے حاصل
 نہیں کی تھی۔ مسلمانوں کا ہندوستان میں پہلا داخلہ ۶۳۲ء بذریعہ ابوالعاص عامل
 یمن دوسرا داخلہ بذریعہ امیر ہلب ۶۳۶ء اور تیسرا اور دہ بدریہ محمد بن قاسم
 ۷۱۲ء میں ہوا۔ اور سمندر کا ساحل ہونے کی وجہ سے شکر ۶ تک مالا بار میں مسلمان
 تجارتوں کی کافی آمدورفت ہو چکی تھی۔ مسعودی ۸۸۰ء کے قریب کالیکٹ تک مالا بار
 میں آیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں میران عمان بصرہ بغداد کے بہت سے مسلمان آباد
 ہیں۔ جنھوں نے یہیں کے باشندوں میں بیاہ شادی کر کے سکونت اختیار کر لی ہے۔
 ان کی تعداد دس ہزار ہے۔ ان میں بعض مشہور تاجر ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کا رئیس
 ابو سعید معروف بن زکریا ہے۔ اب جائے غور ہے کہ اسی زمانہ میں شکر آجاریہ پیدا
 ہوئے۔ اور وہ عین مذہب اور بدعت کی بنیاد پر منی کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے
 ہیں۔ اور خدا کی توحید و یگانگت کے لئے پرچار کرتے ہیں۔ اب اسکا اندازہ لگانا ذرا
 بھی مشکل نہیں۔ کہ جناب شکر آجاریہ نے توحید کا سبق اسلام سے سیکھا۔ ورنہ اس سے
 قبل ہیں خالص توحید کی تعلیم مفقود نظر آتی ہے۔ لہذا اب اس امر سے کون انکار کر سکتا
 ہے۔ کہ جناب شکر آجاریہ نے توحید کا نور اسلام کی منور تعلیم سے حاصل کیا۔ اور
 اسکا ایک اور بھی زبردست ثبوت ملتا ہے کہ شکر آجاریہ نے اسلام اور مسلمانوں کے
 برخلاف کہیں بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کی۔ حالانکہ ان کے ہمسایہ میں اسوقت کافی
 مسلمان آباد تھے۔ اور اسلام اپنی ہمہ گیر تعلیم کی وجہ سے بنی نوع انسان میں دن بدن
 ایک خاص احترام اور قبولیت حاصل کر رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب شکر
 آجاریہ نے توحید کے جس چہمہ سے اپنے تشنہ لب کو تر کیا تھا۔ اس کے لئے اس کے
 دل میں عزت اور احترام کا جذبہ موجود تھا۔ وہ آجکل کے آریوں کی طرح نہیں تھے۔ کہ

اسلام کی خوبیوں سے مستفیض تو ہوں۔ اور پھر اسلام کے خلاف نہی علم بجاوت بلند کریں۔ شکر آچار یہ کہ وقت سے ہندوستان کے اس تیرہ خاگردان براسلامی نور کی کہ نہیں جلوہ فگن ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اس کے بعد جس قدر اصلاحی فرقے بھی ہندو مذہب سے برآمد ہوئے۔ وہ سب سب اسلامی تمدن اور تہذیب سے مالا مال ہوتے رہے۔ جس کے متعلق اور نو اور خود آریوں کو یہی اعتراف ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ اسلامی توحید نے ہندو مذہب پر ایک خاص اثر ڈالا۔ اسلامی توحید کے بعد ہی ہندو مذہب سے مختلف فرقے نکلے جنہوں نے پرستار ان توحید ہونیکا دعویٰ کیا۔ اس سے قبل ہیں کوئی ایسی نمایاں مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ اسلامی تصوف نے بھی ہندو مذہب پر ایک خاص اثر ڈالا۔ اس کے متعلق شہو متعصب اخبار پر تاب ہی اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ چنانچہ یہ اخبار لکھتا ہے۔

دو راجہ سے تین صدی بعد شمالی ہند میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا جس کا سرچشمہ راجا تندی تھے۔ وہ نہ صرف اعلیٰ پایہ کے سنت بلکہ شاعر بھی تھے۔ ان کے پرچار کا شمالی ہند میں اتنا بڑا اثر ہوا کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے معتقد بن گئے۔ آپ مذہب اور قومیت کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے پریم کا پرچار کرتے تھے۔ آپ کے عقیدہ میں برہمن مسلمان اور اچھوت یکساں طور پر حصہ دار بن گئے۔ آپ کے زمانہ میں زیر دست مسلمان صوفیان مثلاً عطار۔ سعدی جلال الدین رومی اور حافظ وغیرہ کی شاعری اور ان کے رموز تصوف کا بڑا چرچا تھا۔ اور تصوف کے مسائل کو ہندوستان بھر کے مذاہب میں وہ دقل حاصل ہوا تھا جس نے اصل مذہب پر پردہ ڈال دیا تھا۔ راجا تندی نے مسلمانوں کے اس تصوف کو برہمنوں کے مذہبی عقیدہ کے رنگ میں رنگ کر ویدانت کے اندر جذب کر دیا۔

(پر تاب ۷۲ فروری)

جادو وہ جو سر چڑھو لو لے اسی کا نام ہے۔ باوجود اسلام کے بہترین ترہ اور تصوف سے مستفید ہونے کی بھی آریوں نے اسلام کی کیا قدر کی؟ چپ ہی بھلی۔

اگرچہ اس کے بعد ہندو مذہب سے کئی ایک پنتھ اور مت چلے۔ اور اگر اونگی
نمبر شماری کی جائے۔ تو بلاشبہ سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ جن کے چند ایک نام
درج ذیل ہیں:-

(۱) نرنکاری مت (۲) انامی مت (۳) پرنامی مت (۴) یگ جیون داسی مت۔
(۵) شو نرائن مت (۶) ماد ہوا چاریہ مت (۷) برہم سماج (۸) کبیر پنتھی (۹) نانک
پنتھی (۱۰) دادو پنتھی (۱۱) برہمنڈ پوران پنتھی (۱۲) رام سہنی (۱۳) مدھو چاری۔
(۱۴) ملوک داسی (۱۵) سورج پنتھی (۱۶) نرنجنی (۱۷) بشنوتی (۱۸) چندر پنگت۔
(۱۹) بلیہا چاری (۲۰) جیتن اسمیروائے (۲۱) گوردادی (۲۲) چونداسی (۲۳) آریہ
سماج وغیرہ۔

اگر ان فرقوں کے اصولوں پر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ ان کے
عقائد کے روشن حصے جو عوام کے جذبات سے بیل کر سکتے ہیں۔ وہ سب کے سب
اسلامی اصولوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ
سے قبل یہ مذہب کے عمدہ اصول قطعی مفقود تھے۔ ان کا وجود ہندوستان میں اسلام
کے مبارک ورود کے بعد آیا۔ اب اس سے کون نکال کر سکتا ہے۔ کہ ہندو مذہب کے
مختلف فرقوں نے یہ اصول بلاشبہ اسلام ہی سے لئے۔ ان مذکورۃ العصر ہندو مذاہب کے
فرقوں کے اصولوں کے متعلق ایک ایک کر کے مفصل بیان کرنا ایک طویل طویل بحث
ہے۔ لہذا میں بعض مشہور فرقوں کو لیکر ان کے اصولوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔

اس مذہب کے بانی شری گوردونانک دیوجی جہا راج
نانک پنتھی یا سکھ دھرم آہوئے ہیں۔ اس مذہب کو رائج ہوئے چار سو
سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے۔ ان کے آدھ گرنٹھ صاحب سری راگ گلہ پہلا میں لکھا ہے

عجب تن چکر دیہ من میت ڈکو
کمل کی سار نہیں مول بانی

بھو ترا استاوت بھاکیا یوسے
 کیوں بوجھے جالت نہ بھائی
 اکھن سنناپون کی یانی ایہ من رتا مایا
 خصم کی نظریں دیں پسندی نہیں اک دہایا
 تیرے کھے شہنشاہ کر ساتھی ناؤں شیطانت کٹ جائے

مطلب :- جو تیرے عیب ہیں۔ وہ کچھ کی مانند ہیں۔ اور تیرا دل ان عیبوں کے
 کچھ میں مینڈک کی طرح پہنسا ہوا ہے۔ جو اس کنول کے پھول کی قدر سے جو تیرے
 سر پر کھل رہا ہے۔ ناواقف ہے۔ حالانکہ بھو ترا شکل استاد اس کنول کے پھول پر آکر
 ہر روز آوازیں دیتا ہے۔ کہ اے کچھ میں ات پت ہونے والے مینڈک ذرا اس کچھ کو
 چھوڑ کر پانی کی سطح پر آ۔ اور دیکھ کہ تیرے سر پر تو کنول کا پھول کھل رہا ہے۔ اور تو
 اس کچھ میں بڑا خراب ہو رہا ہے۔ مگر اصل بات تو یہ ہے۔ کہ وہی اس کنول کی خوشبو
 سے پرہ ور ہو سکتے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ آپ رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں اپنی
 طاقت یا دولت پر گھمنڈ ہے۔ اور جو وعظ و نصیحت کی باتوں کو ایک کان سنتے اور
 دوسرے کان نکال دیتے ہیں۔ وہ خدا کے قریب مہر دم رہتے ہیں۔ ہاں جو لوگ
 اللہ کے مقبول ہیں۔ ان کی یہ علامات ہیں۔ وہ ایک خدا کی پوجا کرتے تیس روز
 رکھتے۔ اور پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر شری آدگرنتھ میں لکھا ہے۔

ہوئے مسلم دین مہانے
 مرن جیون کا بہرہ چکانے

مطلب :- اسے سرگردان و پریشان تو مسلمان بن جا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ تو اس سرگردانی اور مرن جیون کے وہم سے دور ہو کر نجات کا وارث بن جائیگا۔

پھر کھٹوں کا یہ اصول ہے۔ کہ تشریٰ گرتھ صادقے (پاٹھ کرتے) پڑھتے وقت یار و اس (راہِ راست) یعنی مذہبی دُعا کرتے وقت یار داس (عرض داشت دُعا) کے ذرائع کی بجا آوری کے وقت پُنج اشنا نہ کریگے۔ پنج اشنا نہ کیا ہے۔ وہی جسے مسلمان دُعا کہتے ہیں۔ یعنی پہلے مُنہ کو دہوتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک پھر دونوں پاؤں کو۔ یہ مذہبی طہارت بلاشبہ اسلام سے لی گئی ہے۔ پھر ار داس (دُعا) کا طریق ہی اسلام کی دُعا کے طریقہ سے ہی حاصل کیا گیا ہے۔ ایک بزرگ شخص خدا کے حضور ہاتھ جوڑ کر دُعا کرتا ہے۔ اور دوسرے لوگ خاموش ہو کر اس شخص کی ہاں میں ہاں ملاتے جاتے ہیں۔ اس سے قبل ہندو مذہب میں دُعا کا یہ طریق رائج نہ تھا یہ طریق اسلام سے حاصل کیا گیا ہے۔ پھر بعض سکھ دوست کہتے ہیں۔ کہ مسلمان تو گوشت کے شوقین ہیں۔ اور ہم کڑاہ پرشاد کے پریمی ہیں۔ مگر امر و اتھویہ ہے۔ کہ جس طرح سکھ صاحبان کڑاہ پرشاد کے پریمی ہیں۔ مسلمان ہی ویسے ہی اسکے خواہشمند ہیں۔ بلکہ کڑاہ پرشاد کا طریق ہی مسلمانوں سے ہی لیا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے ہاں یہ ایک مشہور مقولہ چلا آ رہا ہے۔ کہ

الْمُؤْمِنُ حَلَقٌ بِحَبِّ الْحَلَوَةِ

کیونکہ مسلمان سبھاؤ سے میٹھا ہے۔ اسلئے یہ حلوہ سے محبت کرتا ہے۔ بیاہ شادی کے موجودہ اصول بھی جس کا بیان آگے آئیگا۔ وہ بھی اسلام سے ہی لئے گئے ہیں۔ اب ان مذکورۃ الصدر حوالہ جات کی موجودگی میں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ سکھ مذہب کے یہ قایل قدر اصول اسلام سے اخذ نہیں کئے گئے۔

پرنامی مت { عام طور پر یہ لوگوں میں پرنامی مت کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر یہ لوگ باہمی اپنے آپ کو مومن ہی کہتے ہیں۔ اور عموماً یہ لوگ اپنے عقائد کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرتے۔ ملنا مار فروتن طبع واقع ہوئے ہیں۔ قریباً

چار سو سال کا عرصہ ہوا۔ کہ اس مذہب کے پہلے گورو شری دیو چند جی ہمارا ج امر کوٹ علاقہ مارواڑ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے گورو شری پرائن ناتھ جی جام نگر علاقہ کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے۔ توحید کے پیرو ہیں۔ ذات پات کے قائل نہیں۔ دنیا میں چار روحوں کو بہت یا عظمت مانتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک روح کو (۲) شری دیو چند جی ہمارا ج کی روح کو (۳) جناب اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو (۴) چوتھی روح انکے نزدیک ابھی آنے والی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ اس روح کے ظہور پر ہم اپنے عقائد کی اشاعت کریں گے۔ اور اس وقت ہمارا مذہب بہت پھیلے گا۔

جام نگر۔ سورت۔ آسام۔ بنگال۔ مارواڑ۔ گجرات وغیرہ میں اس مذہب کے پیرو اور ان کی بڑی بڑی گدیاں ہیں۔ پنجاب میں بھی اس مذہب کے کچھ پیرو ہیں۔ ان کا مقدس گرتھ کل جمع صاحب ہے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی بڑی مہمانکھی گئی ہے۔

اس مذہب کے بانی جناب راجہ رام موہن ہوئے ہیں۔ انکے سوانح یہ ہم سماعت { نگار لکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے بچپن میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور بعض فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھنے سے ہی انکے دل میں توحید کا خیال پیدا ہوا۔ اور جب انہوں نے دیکھا۔ کہ وید توحید سے خالی ہے۔ تو انہوں نے ویدوں کو ترک کر دیا۔ یہ لوگ تنازع کو نہیں مانتے۔ ذات پات کے عقیدے کے قائل نہیں ہیں۔ روح اور مادہ کو مخلوق مانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ سب سے اول جب کہ دنیا راہ راست سے بہت ہٹک چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی توحید کا علم بلند کیا۔ گویا کہ ان کی قوت قدسیہ نے انسانوں کو با خدا انسان بنایا۔ چنانچہ یہ ہم سلج کے ایک لیڈنگ ممبر جناب شروع پرکاش دیو جی آنجنانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ جو بہت مقبول ہوئی ہے۔

آریہ سماج نے تو بلاشبہ نوسے فیصدی باتیں اسلام سے لی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اسلام کا شاگرد ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے۔ کہ یہ شاگرد رشید ہے۔ یا کچھ اور۔

غور کرنے والی طبیعت کو اس مذہب میں دو باتیں خاص طور پر نمایاں نظر آئیں گی۔ وہ یہ کہ ان لوگوں نے ہوا کے رخ کو دیکھ کر ویدک دھرم کی دیواروں پر اسلام کا سیمنٹ کرنا چاہا ہے۔ مگر یہ دیواریں اس سیمنٹ کو زیادہ دیر کے لئے برداشت نہیں کر سکیں گی۔ توحید کا عقیدہ انہوں نے اسلام سے لیا۔ مگر اس کے ساتھ روح اور مادہ کی ازلیت کا عقیدہ انہوں نے سانکھ درشن سے حاصل کیا۔ اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سانکھ درشن کے مصنف دھریہ مزاج تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ سانکھ درشن کے اس عقیدہ کو لیکر آریہ سماج ہی قریباً نیم دھریہ بن گیا ہے۔ کیونکہ روح اور مادہ کی ازلیت کو تسلیم کر کے آریہ سماج نہ تو دعا کی قبولیت کا قائل ہے۔ اور نہ ہی خدا کے رحم اور بخشش کا معترف ہے۔ گویا آریہ سماج کے نزدیک ایک انسان تو کسی کا گناہ معاف کر سکتا ہے۔ مگر پریشور یا وجود کربالو اور دیالو ہونے کے کسی کارتی بھر بھی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اب عام لوگوں کے دلوں سے صرف آریہ سماج کا توحید کا عقیدہ ہی ہٹیل کرتا ہے۔ روح اور مادہ کی ازلیت کا گورکھ دھندا نہیں۔

نیوک اور نکاح بیوگان آریہ سماج اصولاً نیوک کا حامی اور نکاح بیوگان کا مخالف نام ہی نہیں لیتا۔ ہاں نکاح بیوگاں جو اسلام کا عقیدہ ہے۔ اس پر بہت زور دیتا ہے۔ مگر اس جگہ عام دوستوں کو سمجھانے کے لئے کہ نیوک اور شادی میں کیا فرق ہے۔ اس کا مختصر ذکر تیار ہتھ پرکاش سے لیکر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

نیوک سے کیا مراد ہے نیوک سے مراد یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اولاد کے لئے غیر مرد سے اپنے اور اپنے خاوند کے لئے اولاد پیدا کرے۔ اس کی مفصل تشریح کرنے

سے مسلم تہذیب مانع ہے۔ ہاں اگر کسی صاحب کو وضاحت مطلوب ہو تو وہ ستیا رتھ پر کاش کا دوسرا ادیشن صفحہ ۱۵۲ درجہ کسی اور ادیشن جہاں یہاں شادی وغیرہ کا تذکرہ ہو اسے ملاحظہ کریں۔ جس سے ناظرین پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ کیونکہ ستیا رتھ پر کاش کے تازہ سے تازہ ایڈیشن میں بھی نیوگ کا مفصل ذکر موجود ہے۔

ایسا کرنے سے گو ہمارے مضمون کا یہ حصہ بہت کمزور ہو گیا ہے مگر ہم نے بخوشی اسے پسند کیا ہے۔ کیونکہ ہمارا مطلب صرف تبلیغ حق ہے۔ کسی کا دل دکھانا نہیں۔ مگر ناظرین یہ بات تعجب سے سنیں گے۔ کہ آریہ سماج اپنے اس ویدک اصول کو ترک کر کے اسکے برخلاف نکاح بیوگان کے لئے جس کی سوامی دیانند صاحب نے اپنی کتاب ستیا رتھ پر کاش میں بڑی مخالفت کی ہے۔ اور جو ایک اسلامی طریق ہے۔ کے رائج کرنے کے لئے آریہ جنادات میں بڑی بڑی ایسیلیں اور اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج کے ممبروں کے قلوب اس اپنے ویدک مسئلہ کو پسند نہیں کرتے اور برخلاف اسکے نکاح بیوگان جو ایک اسلامی مسئلہ ہے اسکے سامنے انہوں نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اب اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اسلامی اصول اپنی ہم گیر خوبی کی وجہ سے کس طرح اپنے خطرناک سے خطرناک مخالفین کے دلوں میں پی جگہ حاصل کر رہے ہیں۔

ایک لطیفہ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے آریوں کو یہ ہدایت دی کہ اگر کسی بچی کو رنڈو سے اور بیوہ عورتیں دوبارہ شادی نہ کیا کریں۔ بلکہ ان کے بجائے نیوگ کیا کرایا کریں۔ دوبارہ شادی کرنا خود رنڈو کا کام ہے۔ چنانچہ رگوبند آدی بھاشہ بھومکا اردو ص ۱۲۵ پر لکھا ہے

دو دو ج یعنی براہمن بھشترے اور دیش پہلے تین ورثوں کو دوسری بار بیاہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ دوبارہ شادی صرف شودروں کے

لوگ بہت فریفتہ تھے۔ وہ سوم رس ہے۔ جو سوم لتا سے حاصل کیا جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سوم تار نباتات (اب مفقود ہو چکی ہے۔ اور اس کل یک (پنج اوج) کے زمانہ میں اس نعمت غیر مترقبہ یا آب حیات اور امرت رس کا میسر آنا ناممکنات سے ہے۔ مگر ہمیں اس کے لئے اس قدر بے صبر نہ ہونا چاہیئے۔ وید مقدس اور دیگر ہندو کتب ہمارے سامنے ہیں۔ وہ اس امرت رس یا امرت پھل کے سراغ لگانے کے لئے الحمد للہ ہماری کافی رہنمائی کرتی ہیں۔ اور اب بھی ہم لوگ اس نعمت عظمیٰ کو اسی سہولت سے حاصل کر سکتے ہیں۔ جس سہولت سے کہ آج سے ہزار ہا سال قبل لوگ حاصل کر سکتے تھے۔ اور مجھے توقع نہ کہنی چاہیئے۔ کہ اس ڈسکوری یا انکشاف پر آریہ صاحبان خصوصیت سے میرا شکریہ ادا کریں گے۔ گو آجکل ہمارے آریہ بھائیوں کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو ایک گونہ پر غاش ہے۔ اس کی خراش نے آریہ دوستوں کے قلوب کو اس قدر تنگ کر دیا ہے۔ کہ اس کی موجودگی میں آریہ دوستوں سے یہ خواب میں یہی توقع نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اس نئی دریافت پر کسی مسلمان کا شکریہ ادا کریں۔ ہاں اگر یہی دریافت کسی دیا دہریا رام سر دپ یا جے دیال وغیرہ کی طرف سے ہوتی تو بلاشبہ آج آریوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جگمگا رہے ہوتے۔ اور اس کا اس قدر چرچا ہوتا کہ قریباً کل اجارات کے کالم اس سے مزین ہوتے۔ اوڑے بڑے پوسٹر شائع کئے جاتے۔ مگر خیر ہمیں اس بات کی پروا نہیں۔ ایک مسلمان کا دل دنیا کی ظاہری واہ واہ سے بہت بلند ہونا چاہیئے۔ اس لئے بدوں کسی غرض کے محض افادہ عام کے لئے سوم رس کے متعلق آج ہم نئی دریافت لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں۔ وید مقدس اور ہندو صاحبان کے دیگر معتبر گرنٹھ اس روح جیون بوٹی کی صفت یا علیہ بدیں الفاظ بیان فرماتے ہیں۔

یہ سوم سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ (دیکھو گوید منڈل ۹ سوکت ۶۵ پچا ۸) اور نزوکت ادھیائے ۴ کھنڈ ۵ میں لکھا ہے۔ سوم ہوتا ہے سبز رنگ کا (۲) اس کے پتے ٹیڑھے روئے دار ہوتے ہیں۔ (منڈل ۹ سوکت ۶۶ پچا ۲)

(۳) گجیر کی خواہش کرنے والوں نے پانیوں کی پیدا کی ہوئی سوم..... جو طاقت دیتے والی ہے۔ تم دو دانوں کو دی ہے۔ وہ سوم جلال والی غیر فانی بہت روم یعنی بال نہ کھنے والی قدیمی سکھوں کے ماتداہ دگر دے سے ترچھے ترچھے مطلب یہ ہے کہ سوم کا پودا دیہا یا پانی کے کنارے اگتا ہے..... رگوید (۱۳۱) اسکے پتے ترچھے اور نوکیلے ہوتے ہیں۔ اور پتوں پر بہت سے چھوٹے چھوٹے بال اور روم ہوتے ہیں :

دی سویلریشن ان شنٹ آف اندیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف جناب پنڈت رامیش چندر دت صاحب اپنی اس مشہور زمانہ کتاب کے باب میں اس سوم لتا یا روح جیون بوٹی کے متعلق حسب ذیل معلومات ہم پہنچاتے ہیں۔ یہ ایک منقشی شربت معلوم ہوتا ہے۔ جس کا استعمال وید کے زمانہ میں کیا جاتا تھا۔ اور قدیم آریہ اس شربت کے بہت خوگر تھے..... اس نے ایک معبود کی مانند جلد پرستش کا درجہ پالیا تھا۔ ہم اس معبود کے نام پر ایک پورا منڈل یا کتاب رگوید میں موجود پاتے ہیں۔ ہندوستان کے آریہ اس منقشی عرق کے زیادہ عادی معلوم ہوتے تھے۔ ثندو اوستا میں بھی اکثر اشارات ان کے ہندی بھائیوں کی اس نفرت انگیز عادت کے متعلق دیکھے جاتے ہیں۔

بعض قدما کا یہ خیال ہے۔ کہ ان نا اتفاقیوں کی یہ ایک بڑی دلیل ہے جنہوں نے جنوبی آریہ لوگوں میں پھوٹ ڈال دی تھی۔

وہ عمل جس کے ذریعہ سوم کا رس نیا رکھا جاتا تھا۔ (رگوید) کے نوں منڈل کے متر ۶۶ اور دوسرے متروں میں پورے طویل بیان ہوا ہے۔ ہم چند چائیں اس متر سے یہاں ترجمہ کرتے ہیں۔

(۲) ہے سوا تیری جو بیتوں نے یکے بعد دیگرے کیفیت کو بدل دیا۔ اور اس سے تو نے بلندی حاصل کی۔

(۳) ہے سوا وہ پتیاں تھکو ایک بیل کی مانند ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہیں۔

اور تو تمام موشموں میں سرسبز اور تازہ رہتا ہے۔

(۴) ہے سوا تو بچوڑا جاتا ہے۔

(۸) تجھ کو عورتیں اپنی انگلیوں سے جنبش دیتی ہیں۔ اپنی آوازوں کو تیرے سامنے ایک بے میں ملاتی ہیں۔

(۹) تو ایک خوش آئند صدمہ کے ساتھ پانی میں لمباتا ہے۔ اور وہ انگلیاں کپڑے کی صافی کے اندر تجھ کو ملاتی ہیں۔ اور ادھر ادھر حرکت دیکھ تجھ کو چھانتی ہیں۔ پھر تیرا فضلہ پینٹک دیا جاتا ہے۔

(۱۱) وہ کپڑے کی صافی ایک ظرت پر رکھی جاتی ہے۔ اور انگلیاں بار بار سوا کو ملاتی ہیں۔ جس سے ایک سیدی دہار اس ظرت میں گرتی ہے۔

(۱۳) ہے سوا پھر تجھ میں دودھ ملایا جاتا ہے۔ اور ایک دلکش آواز کے ساتھ پانی تیری ظرت دوڑتا ہے۔

پھر اور ملاحظہ ہو سوم..... بس بٹے پر رگڑ کر تیار کی جاتی ہے۔ اس میں ٹہنڈا پانی ملایا جاتا ہے۔ (رگیدہ ۶۱۳)

آپ کے لئے سوم تاسکا رس بوا علی ذائقہ رکھتا ہو جس میں شہد ملایا جاتا ہے۔ پینے کے قابل ہے۔ (رگیدہ ۶۲۲)

اے پڑھنے اور پڑھانے والے سوم تاسکا رس دوستوں کے لئے اور شریف اصحاب کے لئے۔ اخلاق کے اعلیٰ بنانے کے لئے صبح کے وقت جبکہ سورج کی کرنیں پڑنے لگتی ہیں۔ جو اچھی طرح نیا رکھا گیا ہے۔ تم اسکو پیو۔ (رگیدہ ۱۳۷) اب اس قدر تعریف اور علیہ اور شکل و شباہت جو ہندوؤں کے قدیم کتب سے ہمارے سامنے آچکی ہے۔ اب ہمیں سوم تاسکا کے پتہ اور سراغ لگانے میں چنداں دقت نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ۔

(۱) سوم تاسکا کے پتے سبز ہوتے ہیں۔ (۲) ترچھے اور اس پر چھوٹے چھوٹے دم

(۳) یہ پودے عموماً دریاؤں یا نالوں کے کناروں پر پیدا ہوتے ہیں۔ (۴) اسے

سل بیٹے یا ڈنڈے کو نڈے میں رگڑا جاتا ہے۔

(۵) کپڑے کی صافی کے ذریعہ اس کا رس یا عرق دوسرے برتن میں پھوڑا جاتا ہے۔
(۶) اس کا رس انگلیوں کی حرکت سے پکایا جاتا ہے۔ (۷) اس میں دودھ اور خیمہ
ٹلایا جاتا ہے۔ (۸) اس کو صبح کے وقت پیا جاتا ہے۔ (۹) اس کے پینے سے نشہ مائل
ہوتا ہے۔

اب یہ علامات اور نشانات ہمارے سامنے اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں
کہ یہ سوم تنہا کوئی نایاب چیز نہیں ہے۔ اب آپ خود اس امر کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں
(۱) کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا پودا پانی کے کناروں پر پیدا ہوتا ہے۔ (۲) سبز ہوتا
ہے۔ (۳) پتے ترپتے نوکدار اور روئیں دار ہوتے ہیں۔ (۴) اسے لوگ ڈنڈے
اور کو نڈی سے رگڑتے اور کپڑے کے ذریعہ اسکو چھانتے ہیں۔ (۵) اس میں میٹھا
یا دودھ ٹلایا جاتا ہے۔ (۶) اور اس کو صبح کے وقت پیا جاتا ہے۔ (۷) اس سے نشہ
پیدا ہوتا ہے۔ کیا اب ہی سوم تنہا کے انکشاف میں کسی کو شبہ کی گنجائش ہے۔ اور یہ
اسلام کے ہی تمدن کا اثر ہے۔ کہ اب علانیہ اس نشہ آور چیز کو بڑا سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ
کہ سوانی دیانند صاحب کو بھی تجربہ کے بعد اسے علانیہ بڑا عجیب "کھنا پڑا" دیکھو سوانی
صاحب موصوف کی خود نوشت سوانح عمری صفحہ ۲۰۔ اور پنڈت رویش چندر دت صاحب اپنی
مشہور کتاب "قدیم ہندوستان کی تہذیب"، کے باب ۴ میں اسے "نفرت انگیز عادت"
کہنے پر مجبور ہو گئے۔ کیا یہ ہندو مذہب پر اسلام کے تمدن اور تہذیب کا ایک زیروست
اثر نہیں ہے۔ ورنہ اگر اسلام کی تہذیب ہندوستان پر جلوہ گر نہ ہوتی۔ تو اس وقت ہی بقول
سوانی دیانند صاحب "بڑا عجیب" اور پنڈت رویش چندر دت صاحب اس "نفرت انگیز
عادت" کے لئے غالباً چنداں نفرت کا اظہار نہ ہوتا۔ یہ اسلام کی ہی تہذیب کا اثر ہے۔
کہ اب اسے عرف عام میں بہت بڑا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام ہی دنیا میں ایک پہلا
مذہب ہے۔ جس نے منشی اشیاء کے استعمال کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

ذات پات کا عقیدہ { اگرچہ عرت عام میں ہندو پیار ذاتوں یا گروہوں میں منقسم ہیں۔ برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر۔ مگر اسی پر اکتفا نہیں ہے۔ آگے ذات در ذات کی تقسیم اس قدر وسیع ہے۔ جو ہر ایک خود کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً برہمنوں کے ۱۸۸۶۔ کھشتریوں کے ۱۵۹۰ اور ویش و شودروں کے ذقہ ملا کر کل ۳ ہزار بنتے ہیں۔ اور پھر یہ ایک دوسرے سے اس قدر متنفر اور بیگانہ ہیں کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور منوشاستر میں جو شودر اور دیگر ادبھی اقوام کے حقوق قائم کئے گئے ہیں وہ اس قدر حیرت افزا ہیں۔ کہ نادائق آدمی تو ایک دفعہ انگشت بدھن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً منوسمیتی میں برہمنوں کے متعلق لکھا ہے کہ۔

دُنیا میں جس قدر دولت ہے۔ سب کا مالک برہمن ہے۔ یہ (منوادہیا ایک۔ خلوک ۱۰۰) جاہل ہو خواہ عقلمند برہمن بڑا دیوتا ہے۔ ۷۷

برہمن چوری کرے۔ تو راجہ اس کو سزا نہ دے۔ کیونکہ راجہ کی نالائقی سے ہی برہمن نے ہو کے ہو کر چوری کی ۱۱ اس کے مقابلہ پر ذرا شودر کے حقوق ملاحظہ کیجئے۔ شودر کو نہ عقل سکھلاؤ نہ مذہبی تبلیغ کرو۔ یہ

اگر شودر ادبھی ذات والوں کے نام لیکر بلائے۔ تو اس کے حلق میں دس انگل لائے ہوئے کاکیل آگ کی طرح گرم کر کے ٹھونس دو ۷۷

نشری راجپندر جی { اللہ کے نبی یا اوتار دنیا میں اس لئے تشریف لاتے ہیں۔ کہ وہ مظلوم دنیا کے حامی ہوں۔ اور انہیں ظلم و تشدد اور ایک شودر سے نکال کر امن اور سکھ کی سیج پر لاکھڑا کریں۔ مگر ہندو دہرم کے لڑیچہ میں ہم اس کے برعکس پاتے ہیں۔ بالیسی رامائن اتر کاٹھا۔ ۷۷ میں لکھا ہے کہ۔

رو ایک برہمن کا لڑکا۔ بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔ اور سب کو یہ فکر پڑی کہ برہمن کے لڑکے کی اس جواناں مرگ کا کیا باعث ہوا۔ آخر بڑے غور کے بعد انہوں نے یہ پتہ لگایا

کہ ایک شودر نجات کے حصول کے لئے جنگل میں ریاضت کر رہا ہے۔ کیونکہ شودر کو کوئی حق نہیں۔ کہ وہ ریاضت کر کے نجات کا حقدار بنے۔ وہ تو صرف اپنی ذات والوں کی خدمت گزار کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسلئے برہمن کا رٹ کا عالم شباب میں فوت ہوا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ شری رام چندر جی جنگل میں موقع پہ پہنچے۔ اور اس شودر سے سوال کیا کہ تم کیوں عبادت کر رہے ہو۔ اس نے یہ جواب دیا۔ کہ نجات کی خاطر۔ شری رام چندر جی نے کہا۔ کہ ایک شودر کو نجات کا حق نہیں۔ یہ کہہ کر اور تلوار میان سے سونت کر شودر پر چلائی۔ اور اس نجات کے خواہشمند شودر کا سرتن سے جدا کر دیا۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد معاً برہمن کا یوان رٹ کا زندہ ہو گیا۔ اوڈیوتاؤں نے آسمان سے شری رام چندر جی پر پھول برسائے۔ کہ آپ نے یہ بہت بڑا کام انجام دیا۔ کہ نجات کے طالب شودر کا سرتن سے جدا کیا۔ جس سے ایک برہمن کے نو جوان مردہ رٹ کے کو از سر نو زندگی حاصل ہوئی۔ شری رام چندر جی ہمارے کی میرے دل میں عزت ہے آپ جیسے دھرماتما کی شان سے یہ بہت بعید ہے۔ مگر اس سے کم از کم اس وقت یا اب بعد کے ہندو صاحبان کی ذہنیت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ انکے دل میں شودروں کے لئے کیا درجہ تھا۔

اس سے آپ صاحبان اسکا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ورور و مسعود کے قبل ہندوستان میں خود بنی نوع انسان کے ایک فرقہ کی اپنی دوسرے فرقہ کے ہاتھوں ہی کیا درگت ہو رہی تھی۔ ایک روپنی ذات واسے کے نزدیک حیوان کچھ حقیقت رکھتا ہو تو رکھتا ہو۔ مگر ایک شودر کہلانے والا انسان و ذیل حیوانوں سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔

آج جو شدھی کا غوغا اور دلولہ ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ پیدائش سے کوئی شودر نہیں۔ یہ صرف اسلام کے مبارک قدم کا ہی نتیجہ ہے۔ ورنہ ہندو صاحبان کے گرنہ اس تحریک اشدھی کے سخت مخالف ہیں۔



آرین کتب میں شدھی کا دروازہ بند

اس وقت چار دناگ عالم میں آرین سماج نے شدھی کا شور بپا کر رکھا ہے۔ بظاہر
ہمارے لئے اس میں کوئی بُرا منانے کی بات نہیں۔ کیونکہ جس طرح ایک مسلمان کو یہ حق
ہے کہ وہ دوسرے غیر مسلم کو احسن طریق سے مسلمان بنائے۔ اسی طرح ایک غیر
مسلم کو یہ حق ہوتا چاہیئے کہ وہ اپنے مذہب میں اوروں کو شامل کرے۔

مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ آرین سماج جو شدھی کا راگ الاپ رہا ہے یہ اس
کے مال کی اختراع اور ایجاد ہے۔ یا ویدوں کی قدامت کی طرح یہ بھی قدیم ہی ہے
اور ویدک مہرم کے بزرگان اسلاف میں ہی اسکا پتہ چلتا ہے۔ وید سمرتی پڑان
اور آرین سماج کی مسلمہ کتب ہی اسکا ساتھ دیتی ہیں یا نہیں۔ اگر آرین سماج کی مسلمہ کتب
اور ان کے بزرگان اسلاف میں ان کا نمونہ پایا جاتا ہو۔ تو چشم مار وشن دل ماشاد۔
ہمارے لئے کوئی بُرا منانے کی بات نہیں۔ اور اگر نہیں۔ جیسا کہ واقعات اور آرین
سماج کی مسلمہ کتب کے نوختوں سے ظاہر ہے۔ تو انصاف اور حق جوئی اور حق گوئی
اس امر کا ہر ایک انسان سے مطالبہ کرتی ہے۔ کہ آرین سماج اس تحریک سے جس قدر
جلدی ممکن ہو سکے۔ ہاتھ اٹھائے جسکا ذکر ان کی مسلمہ کتابوں میں اشارتاً و کنایتاً ہی
نہ پایا جاتا ہو۔ اور نہ اس مذہب کے بزرگان اسلاف ایسا نمونہ پیش کرتے ہوں۔ اور
اگر آرین سماج کسی مصلحت سے شدھی کی تحریک سے ہاتھ اٹھانے سے معذور ہے۔
تو بجا ہیئے کہ بجائے ایسی کتابوں کا دم بھرنے کے جن میں شدھی کا نام نہیں۔ وہ
اپنے لئے اور کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جس میں ایسی نیک اور عمدہ تحریک کی
تعلیم و سرکشا پائی جاتی ہو۔ ورنہ جیسا کہ مسلمانوں کو سوامی بھرد ہا نندرا بھتانی نے
یہ کہا تھا۔ کہ جنب تک ہم اچھوت اقوام یا نو مسلم راچوتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملتے

جب تک ہم سو راہیہ حاصل نہیں کر سکتے جس کا یہ مطلب ہے کہ یہ ایک صرف سیاسی تحریک ہے۔ نہ مذہبی۔ ایک وقت تھا۔ جب مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے سیوا جی نے ہی اچھوت اقوام کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ مگر وقت نکل جانے اور مطلب حاصل کر لینے کے بعد پھر ان اقوام کو دھتکار دیا گیا تھا۔ اب بھی پھر موقع گزر جانے کے بعد بخوشی اس واقعہ کو۔۔۔ دہرایا جاسکتا ہے۔ اور دین پر اثر ڈالنے کا مطلب حاصل کر لینے کے بعد بخوشی ان اشدھ ہونے والوں کو خواہ وہ اچھوت ہوں۔ یا تو مسلم راجپوت ہوں۔ کھن سے بال کی طرح الگ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں اس امر کی اجازت نہیں دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود زیادہ سے زیادہ ڈنگیں مارنے کے بھی آریہ سماج وغیرہ اشدھ شذھوں سے کوئی روٹی بیٹی کا تعلق پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکی۔ چنانچہ اختیار عام اور دیگر۔۔۔ ناتنی پنڈتوں نے یہ کہہ ہی دیا ہے۔ کہ ہم اشدھ شذھوں سے کوئی روٹی بیٹی کا تعلق نہیں کر سکتے۔

اب ہم اس اصول کو مدنظر رکھ کر آریہ سماج کے حال کی کل مسئلہ کتابوں پر ایک سرسری نظر ڈالتا چاہتے ہیں۔ اور ایک محقق اور ثالث بالغیر کی حیثیت سے آریہ سماج کی کتابوں میں مدہ تلاش کرتے ہیں۔ کہ اس تحریک کا ذکر آریہ سماج کی کتابوں میں کہاں تک پایا جاتا ہے۔

اب ہم یہاں بھگوان منو کے وہ شلوک پیش کرتے ہیں جسے پنڈت دیانند جی نے ستیارتھ پرکاش باب ۹ کے اخیر پر تشاخ کا ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے بھگوان منو کے ان شلوکوں کو بطور سند اور سرٹیفکیٹ کے پیش کیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے۔ کہ بھگوان منو کے وہ شلوک کیسے معتبر اور قابل وثوق ہیں اور پھر پنڈت دیانند جی نے انہیں اپنے بیان کی مضبوطی اور واضح کرنے کے لئے ستیارتھ پرکاش کے باب ۹ میں درج کر کے ان کے معتبر ہونے پر اور یہی تصدیقی گھر لگا دی ہے۔ نیز ستیارتھ پرکاش سے جو حوالہ پیش کیا جائیگا۔ وہ ہمارے سماجی دوستوں کے لئے بدوں کسی شک و شبہ کے قابل وثوق اور قابل یقین ہو گا۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش آریہ سماج

کے نزدیک وہ بے نظیر کتاب ہے کیونکہ جب سال ۱۹۱۱ء میں حضور شہنشاہِ باریج پنجم نے اپنے قدومِ سعادتِ لزوم سے ہندوستان کو شرفِ بختا تھا۔ تو اُس وقت ہمارے آریہ دوستوں نے بجائے کسی وید کے ستیارتھ پر کاش کا تھفہ حضور شہنشاہِ معظم کے پیش کرنا ضروری سمجھا تھا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آریہ سماج کے نزدیک ستیارتھ پر کاش کیسی بے نظیر کتاب ہے۔ اسیلئے اپنے دوستوں کی خاطر ہم ہی اسی معتبر کتاب سے حوالیات پیش کرتے ہیں۔ کہ جن میں شودر یا برہمن کو گزشتہ جنموں کے بدیائیک اعمال کے مطابق جہنم لکھا ہے۔ سوامی صاحب ستیارتھ پر کاش بھولاس ہنم صوفی ۳۳۳۔ ایڈیشن اردو سن ۱۹۰۸ء پر مندرجہ ذیل شلوکوں کو بطور محبت لکھ کر بیان فرماتے ہیں۔ شلوک ۵

شری پرسی کرم۔ دوشیر پانی ستھادتاں ترہ :ۛ: واج کیٹیکش مرگیاں مانسرت جاتی نام مطلب۔ جو شخص بذریعہ جسم کے چوری دوسرے کی عورت سے مباشرت یا نیک آدمیوں کی ہلاکت وغیرہ بد کام کرتا ہے۔ اس کا جسم درخت وغیرہ متحرک قابلوں میں ہوتا ہے۔ زبان سے کئے ہوئے پاؤں کا عوص پرند اور مرگ (جنگلی بھبھیاہ) وغیرہ کا قالب۔ اور ہنسی سے کئے ہوئے پاؤں کے بدلے چنڈال وغیرہ کا جسم ملتا ہے۔ (منو ۱۲-۹)

اسجگ بھگوان منو نے یہ شلوک جنم کے متعلق فرمایا ہے۔ اور پنڈت دیاتند نے جو اسکا ترجمہ کیا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ پنڈت جی اس منکورہ بال شلوک کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بذریعہ جسم کے دوسرے کی عورت سے مباشرت کرے۔ وہ درخت اور نباتات وغیرہ کے قابلوں میں ڈالا جائیگا۔ اور زبان سے کئے ہوئے پاؤں کے عوص پرند اور چوہے وغیرہ کا جنم ملے گا۔ اور من سے کئے ہوئے پاؤں کے عوص اگلے جنم میں چنڈال کا جنم ملے گا۔

اب جبکہ متوں منوجی ہمارا ج اور پنڈت دیاتند صاحب کے ایشور جی ہمارا ج نے جنم کے متعلق یہ حدود قائم کر دی ہیں۔ تو پھر کون شخص ہے۔ جو اُسے آگے پیچھے

اور ادھر اُدھر کر سکے۔ اگر کوئی آدمی چنڈال ہے تو بقول منوجی اور دیانند جی کے اپنے پچھلے جنم کے افعال کا نتیجہ ہیگت نہ ہا ہے۔ اور خود ایشور ہمارا نچ نے اس شخص کو اس قالب میں ڈالا۔ اب سماجی دوستوں کا چنڈالوں وغیرہ کا شدھ کرنا یہ صریح اس سرب شکتمان ایشور کی مخالفت ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ہمارے دوسری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے۔ اور ہمارے فلاں رشی کا یہ قول ہے۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ایشور ہمارا نچ کا کیا ہوا فیصلہ انسان نہیں توڑ سکتا۔ ایک نچ کا فیصلہ دوسرا نچ رد نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے چیف کورٹ کی طرف رجوع لا سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ ایشور تو کسی انسان کو چنڈال بناوے۔ اور ایک رشی یا ہمار رشی یہ چاہے کہ اس چنڈال کو برہمن یا چھتری بناوے۔ ناممکن تا مکن ازاہل تا ابد؟

دوم۔ جب ایشور بقول منوجی اور دیانند جی کے کسی شخص کو چوری یا بدکرداری کیوجہ سے درخت وغیرہ کی جون میں ڈالتا تو کوئی دنیا کی طاقت اس درخت کو شدھ کر کے پرند اور چرند نہیں بنا سکتی۔ اور نہ اور درخت کا پرند بننا تو الگ رہا۔ کوئی طاقت کیلئے کہ درخت کو آم یا سنگترہ کا درخت نہیں بنا سکتی۔ پس جب ایک کیلئے کہ درخت کو آم یا نارنگی کا درخت نہیں بن سکتا۔ تو کون طاقت ہے۔ جو چنڈال سے برہمن بناوے۔ جیکہ درخت ہی برے کرہوں کا نتیجہ اور چنڈال بھی برے افعال کا ثمرہ ہے۔ بلحاظ کردار کے دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ سی طرح بقول پنڈت دیانند اور منوجی زیادوں سے کئے ہوئے کاموں کا عوض پرند چرند وغیرہ ہیں۔ جنم میں سے کسی نے یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ دنیا کا کوئی آپاؤ یا کوئی شدھی ایک کوٹے کو جو بقول دیانند جی اپنی بد زبانی کی وجہ سے کوٹے کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ اسے ہنس بناوے تو پھر یہ کس طرح اور کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک وہ شخص جو اپنی بد زبانی یا بد کرداری کیوجہ سے چنڈال کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ وہ شدھ ہو کر دیش یا چھتری اور برہمن نہ بنناوے۔ ہمارے شدھی کے حامی دوستوں کو چاہئے کہ پہلے کیلئے کہ درخت کو نارنگی کا درخت اور ایک کوٹے کو ہنس بناویں۔ اس کے بعد پھر چنڈال کو

برہمن بنانے کی حاجی بھریں۔

میسر دوستو! جب کیکر نازنگی اور کواہنس نہیں بن سکتا ہے۔ تو ایک شودر
برہمن کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ قابل غور سوال ہے۔ آگے اور شلوک ملاحظہ فرمادیں۔

ستھا وراہ کرم کیا سچ متپاہ سپر ماہ سکھیا پاہ

پسو شیخ۔ مرگا شیخو جگتیاں تانس گنیتہ

ترجمہ۔ ۱۔ جو نہایت درجہ کے توگی ہیں۔ وہ غیر متحرک درخت وغیرہ کی طرح
کوڑوں پھلی۔ سانپ۔ کچھوے۔ مویشی اور مرگ (جنگلی چوپایہ) کا جنم پاتے ہیں۔
(منو ۱۲ و ۲۴ شلوک)

آگے اور شلوک ملاحظہ فرمائیے۔

ہستی تیسج ترنگا شیخ شودر ایچھا شیخ گر ہتپاہ

ہنسا۔ ویاگرہ۔ براہا۔ شیخ۔ مدہاتا مسی گیتہ

ترجمہ۔ جو متوسط درجہ کے توگنی ہیں۔ وہ ہاتھی۔ گھوڑا۔ شودر ملیچ اور قابل مذمت
کام کرنیوالے شیر پنگ اور نوکس یعنی سور کا جنم پاتے ہیں۔ (منو ۱۲۔ ۳۳)

بقول آیوں کے اگر شودر وغیرہ جنم سے نہیں بلکہ کرم سے ہوتا۔ تو گھوڑے ہاتھی
کے ذیل میں نہ رکھا جاتا۔ کیونکہ شودر اور گھوڑا وغیرہ کے جنم پانے والے گناہوں کی
تو عیت ایک ہی ہے۔ تو عیت میں سر مو فرق نہیں۔ اگر شودر جو متوسط درجہ کے توگنی
ہونے کے باعث شودر کے قالب میں ڈالا گیا ہے۔ ایسے جسے گھوڑا جو متوسط درجہ کے
توگنی ہونے کے باعث گھوڑے کی جون میں ڈالا گیا ہے۔ دونوں کی تو عیت گناہ میں
سر مو فرق نہیں ہے۔ تو پھر کیا وجہ کہ آریہ شودر کو تو شدھ کر کے چھتری وغیرہ بنالیں۔

اور گھوڑے گدھے کو شدھ کر کے انسان نہ بنالیں۔ علاوہ بریں آیوں کا یہ دعوے
کہ برن یعنی ذاتوں کی تقسیم افعال سے ہے۔ جنم سے نہیں۔ یعنی ایک انسان اگر برہمن
کے گھر میں پیدا ہو کر بڑے کام کرے۔ تو وہ آیوں کے نزدیک برہمن نہیں رہے گا۔

مگر بندت دیا تمنا اور منوجی کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ منوجی اور دیانند جی کہتے ہیں۔ کہ

تموگنی ہونیکا نتیجہ آئندہ جنم میں گھوٹا اور شودر وغیرہ کا بنتا ہے۔ گھوڑے کے ساتھ مشابہت اس امر کو ہنایت تو ضیح اور تصریح سے بیان کرتی ہے کہ ذات جنم سے ہے۔ کرم اور افعال سے ہرگز نہیں۔ کیونکہ گھوڑا اور شودر بقول پنڈت دیانت دی کے دونوں کا گناہ یکساں ہے۔ تو ہم ایک گھوڑے کو کبھی بھی گائے یا بھینس کہنے کو تیار نہیں۔ خواہ وہ دودھ بھی دیتی ہو۔ ہم ایک اونٹ کو کبھی بھی بیل کہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ خواہ وہ بیل کی طرح بل میں پی جوتا جاتا ہو۔ تو پھر جب ہم اونٹ کو بیل گھوڑی کو بھینس نہیں کہہ سکتے۔ تو پھر شودر کیسے یہ من سمجھا جاسکتا ہے۔ جبکہ بقول دیانت صاحب دونوں کا یعنی گھوڑے اور شودر کا گناہ یکساں اور دونوں ہی متوسط درجہ کے تموگنی ہونے کے لحاظ سے ایک شودر اور دوسرا گھوڑا بن گیا۔

اب غور فرمائیے۔ شراب نوش اور بد چلن اور مودی ہونا یہ ہی پہلی زندگی یا اعمال سابقہ کا ہی نتیجہ ہے۔ اب جبکہ صورت حال یہ ہے۔ تو آریہ سماجی دوستوں کا پلیٹ فارم ہول پر کھڑے ہو ہو کہ یہ شور مچانا کہ بد چلنی اور زنا کاری کو ترک کر دو یہ کس طرح نہیا ہے۔ کیونکہ خود ایشور نے انہیں ان کے اعمال سابقہ کی وجہ سے شراب نوش بد چلن اور مودی بنا دیا۔ اب کون ہے جو ایشور کے حکم کو ٹال سکے؟ اندریں حال آریہ لوگوں انہیں شراب نوشی اور بد چلنی وغیرہ سے باز رکھنا یہ ایشور کے حکم کی صریح مخالفت ہے اور ایشور کے حکم کی مخالفت کرنے والے کے لئے جو سزا دیانت صاحب اور منوجی تجوین فرماتے ہیں۔ وہ بھی آریوں سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔

اور پھر جبکہ افضل تموگنی ہونے کے باعث ایشور نے بقول دیانت صاحب کے ایک شخص کو بد چلنی اور شراب نوشی کے لئے مجبور کر دیا۔ تو پھر اس قسم کی بد چلنی اور شراب نوشی بھی ضرور آئندہ جنم میں اپنا اثر دکھلائے گی۔ لہذا اگر یہ دھرم میں نجات شکل ہے، کیونکہ شراب نوشی اور بد چلنی ان کے گناہوں کا کفارہ نہیں بلکہ از دیاد کا موجب ہے۔

اب حیرانی دہی رانی یہ ہے۔ کہ اقل درجہ کے زنا کار اور شراب نوش کو شودروں پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شراب نوش اور زنا کار تو افضل درجہ کے تموگنی ہیں۔ اور شودر

متوسط درجہ کے تو گئی ہیں۔ بہر حال بقول دیانند صاحب اور منوجی کے خود دروں سے شراب نوش اور زنا کار افضل ہے۔ تو حیں صورت میں ایک خود را فضل درجہ کا تو گئی ہی نہیں ہو سکتا۔ فرمائیے وہ برہمن اور جھتری ہو کہ جہا تا کیسے بن سکتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے۔

ب اور ج دو شخص ہیں۔ دونوں سے یکساں قسم کا گناہ سرزد ہوا۔ وہ دو متوسط درجہ کے تو گئی ہونے کے باعث یہ تو خود کے جسم میں گیا۔ اور ج گھوڑا بن گیا۔ اب گناہ دونوں نے یکساں کئے ہیں۔ تو اب ظاہر ہے۔ کہ خود یا گھوڑا جہنم سے ہے کہ م سے نہیں۔ اگر ایک گھوڑا کام نہ دے۔ اور لیٹا رہے بہر حال وہ گھوڑا ہے۔ اگر ایک گھوڑی دو دھو دے۔ بہر حال وہ گھوڑی ہے۔ اگر ایک گھوڑا ہل میں جوتا جاوے۔ بہر حال وہ گھوڑا ہے۔ جب کسی گھوڑی کے دو دھو دینے پر او گھوڑے کو ہل جوتے پر ہم بھینس یا بیل نہیں کہہ سکتے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک انسان کو جسے بقول سوامی دیانند اور منوجی تو گئی ہونے کے باعث خود را میں ڈالا گیا ہے۔ ہم اُسے برہمن یا جھتری کہنے لگ پڑیں۔

پھر آگے چل کر سوامی جی کہتے ہیں۔

چار نشیم۔ پرنشیم۔ پرشانیچو۔ زامبھکا

رکھیا نشیم۔ یشا پاتنج۔ تاسی۔ وشو تاگیو

نرچیم۔ جو افضل تو گئی ہیں۔ وہ مداح خوں اور جو گیت اور دوا وغیرہ بنا کر لوگوں کی تعریف کرتے ہیں۔ خوبصورت پرند یا کلا آدمی یہ بھنے سکے کے لئے خود متعلق کہہ نوالا راکشش یعنی موذی اور پشاج یعنی بد چلن لوگ ہوتے ہیں۔ جو شراب وغیرہ کی عادت اختیار کرتے ہیں۔ اور غلیظ رہتے ہیں۔ یہ افضل تو گئی اور اہل کا نتیجہ ہے۔

(منو ۱۲ اور ۴۲)

اب غور کرو کہ اس جگہ ریا کار آدمی اور خوبصورت پرند کے جنم کو افضل درجہ کے تو گئی ہونے کے لحاظ سے تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی فرض کرو کہ الف اور یا دھات خاص ہیں۔

دونوں اپنے افعال کے لحاظ سے تو گنی ہیں۔ اور دوسرے جہنم میں جا کر الف تو گنی تو بھلا کار شود رہن جاتا ہے۔ اور یا تو گنی دوسرے جہنم میں جا کر خوبصورت پرندہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر شدہی کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور ایک بھلا کار شود کو کھشتری میں شامل کیا جائے۔ تو پھر چاہیئے تھا کہ ایک خوبصورت پرند کی شدھی کر کے بھی اسے انسانی قالب میں داخل کر لیا جاتا۔ مگر جس صورت میں ایک پرند انسان نہیں بنایا جاسکتا۔ ٹھیک ایسی طرح ایک شود رہی کھشتری نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر آریہ صاحبان اپنی شدہی کے متر سے ایک پرند کو انسان بنا دیں۔ یا کم از کم کوٹے کو راج ہنس میں تبدیل کر دیں۔ تو پھر تو ہمیں مانتا ہی پڑے گا کہ جو شدھی کا متر ایک تو گنی خوبصورت کوٹے کو راج ہنس میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ٹھیک وہ شدھی کا متر ایک بھلا کار شود کو بھی کھشتری دہن میں داخل کر سکتا ہے۔ اور جب یہ صورت نہیں۔ تو پھر یہ مانتا ہی پڑے گا کہ شریک اخدھی کوئی مذہبی تحریک نہیں۔ بلکہ یہ حال کی ایک اختراع ہے۔ جو صریح مسلمانوں کی ریس ہے۔ جو منوجی ہماراج کے ان ضوابط کو تسلیم نہیں کرتے۔

اگر آج ہندوستان میں اسلام داخل نہ ہوتا۔ تو بھائی بھائی سے جدا ہوتا۔ جتنو گھر کے آدمی اتنے ہی چوٹے ہوتے۔ اور رب جھاڑو کے سینکوں کی طرح بکھرے ہوتے۔ جیسا کہ ایک یونانی سیاح لکھتا ہے۔ کہ پرانے زمانہ میں ہندوستان ۱۱۸ ریاستوں پر منقسم تھا۔ اور ایک راجہ دوسرے کا دشمن تھا۔ اور علاوہ ازیں قدیم ہندوستان کی تہذیب کے معنی پینڈت میس چندر دت صاحب اپنی اس مشہور کتاب کے باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ

”وہ زمانہ ایک شودر شر کا تھا“ اور خصوصاً شودر کی حالت تو باوجود انسان ہو کر میوانوں سے بھی بدتر تھی۔ یہ اسلام کی ہی برکت ہے کہ آج ہندوستان میں باہمی ایک جتھ بندی کی صورت نظر آ رہی ہے۔ اور کم از کم شودروں کو بھی انسان سمجھا جا رہا ہے۔ پروفیسر بالوایشی پرشاد صاحب نے ”تاریخ ہندو قرون وسطیٰ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں آپ فرماتے ہیں۔

اسلامی فتوحات نے مختلف ریاستوں اور سلطنتوں کی بجائے جو ہمیشہ باہم دست و گریبان رہتی تھیں ایک شہنشاہی اتحاد قائم کر دیا۔ اور لوگوں کو یہ سکھایا کہ ہم وہ ایک ایک کے اندر ایک واحد حکمران کا اتباع کریں۔ اس لئے ہماری قومیت کے ذخیرہ میں روح اور سرگرمی کے اجزاء کا اضافہ کیا۔ اور ایک ایسی نئی تہذیب کا رواج دیا۔ جو ہر طرح سے مستحق ستائش ہے۔ مسلمانوں کی رسومات و عادات نے اپنی ذات کے ہندوؤں کی رسومات و عادات کو بہت کچھ اُبھارا۔ اور جو لطافت و نزاکت ہماری موجودہ سوسائٹی میں پائی جاتی ہے۔ وہ زیادہ تر مسلمانوں کے طفیل ہے۔ مسلمانوں نے ملک کے اندر ایک نئی زبان رائج کی۔ جو اپنے اندر ایک حیرت انگیز ذخیرہ ادبی رکھتی ہے۔ اُنھوں نے شاندار اور خوبصورت عمارت تعمیر کرا کے ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔“

اب صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر مسلمانوں کا ورود مسعود ہندوستان میں نہ ہوتا تو ہندو اقوام کے انتشار کی کوئی حد نہ رہتی۔ شودروں کی درگت کا نظارہ احاطہ قیاس سے باہر ہے۔ آج جو کچھ ہندوستان میں قومیت کی روح نظر آ رہی ہے اور شودروں پر بھی نظر شفقت کا پرتو پڑ رہا ہے۔ یہ سب کچھ اسلام کے طفیل ہے لہذا ہم سب کو اللہ کے حضور میں دعا کرنی چاہیے کہ خدا ایسے پاک مذہب کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ جس نے ان انسانوں کو جنہیں لوگ حیوانوں سے ہی بدتر سمجھتے تھے۔ دوبارہ انسانیت کا درجہ عطا کیا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ اعلیٰ ذات ہندو کہلانے والوں نے نئے ذات کے لوگوں سے کیا سلوک روا رکھا۔ اس کے لئے اچھوت ہندوؤں کی کانفرنس جو حال ہی میں منعقد ہوئی اس کے صدر کا خطبہ ملاحظہ کیجئے۔

اچھوت ہندوؤں کی کانفرنس

۳۰ مئی ۱۹۳۲ء فریدی کو اچھوت ہندوؤں کی آبادی میں ایک کانفرنس ہوئی تھی۔

اس کے صدر نے ایک مختصر سے خطبہ میں جس خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اس قابل ہیں کہ اعلیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے علاوہ مسلمان بھی اس سے سبق لیں۔

صدر صاحب بابو رام چرن بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ ایم۔ ایل سی۔ اپنا تعارف اس طرح کرتے ہیں۔

ۛ ہمارا طریقہ تباہ کر دیا گیا۔ اس لئے میں مخالفوں کے طریقہ سے بتانا ہوں کہ ہم کون ہیں۔ اور کس طرح اس تباہ حالی کو پہنچے ہیں۔

رگوید کے بھجنوں میں دو دشمن قوموں کا ذکر آتا ہے۔ جن میں سے اول آریہ اور دوسرے ”داسویا“ تھے۔ آریہ کے لفظی معنی نیک ہیں۔ اور داسویا کے چور لیٹھے اور بد معاش۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ چور لیٹھے اور بد معاشوں کی قوم کونسی تھی؟ ایک قوم کا کلیتہً نیک ہونا اور دوسری کا کلیتہً چور اور بد معاش ہونا بڑا عجیب انگیز نظر آئیگا۔ لیکن آپ کا تعجب معاً دور ہو جائیگا۔ جب آپ یہ جان لیں گے کہ اپنے آپ کو نیک کہنے والے لوگ آریہ یا ہر سے آئے تھے۔ انہوں نے یہاں کے قدیم باشندوں سے جنگ کی۔ اور نفرت و حقارت کے ساتھ انہیں رگوید میں ”داسویا“ یا ”داسا“ کا نام دے دیا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ رگوید رشیوں کے ذریعہ خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ لیکن یہ سب سیاسی چالیں تھیں۔ خواہ انہیں کتنا ہی مذہبی رنگ دیا جائے۔ یہ قدیم باشندے اگرچہ بڑے طاقتور تھے۔ لیکن ساتھ ہی سادہ مزاج بھی تھے۔ آریوں نے انہیں فتح کر کے غلام بنالیا۔

اچھوت اور دھار کی تحریک کا مقصد

فاضل صدر صاحب اچھوت اور دھار کی تحریک کے متعلق فرماتے ہیں۔
۱۹۱۹ء میں اصلاحات دی گئیں اور جدید کونسلیں بنیں۔ ہندوستان بھول کو بہت سے بڑے بڑے عہدے ملے اور آریوں کی بنا پر اقوام کو حق ماننے کی عطا کیا گیا

جو قومیں تعداد میں زیادہ تھیں انہیں زیادہ نمائندگی ملی۔ اور جو کم تھیں انہیں کم نمائندگی ملی۔ تقسیم حقوق کی یہ صورت ادنیٰ ذاتوں کے ہندوؤں کے لئے ایک تنبیہ تھی۔ انہوں نے اچھوتوں کی کانفرنس اور سبھاؤں بنائیں۔ اور اچھوت ادھا کی آواز بلند کر دی۔“

بالفاظ دیگر ”اچھوت ادھا“ کا مقصد محض یہ ہے کہ اعلیٰ ذات کے ہندو اچھوت ذاتوں کی اکثریت سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں اور ملکی حقوق کو خود غصب کر لیں۔

کیا متوکا دھرم شاستر منسوخ ہو چکا ہے؟

لیکن فاضل صدر اپنے خطبے میں اچھوت ذاتوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔
 ”یاد رکھو ہندوؤں کے اس اظہار ہمدردی کی تہ میں ہی وہی مقاصد کار فرما ہیں جن کی بنا پر یہاں کے قدیم باشندے غلام بنائے گئے تھے۔ سیاسی حکمت عملی ہی غلامی کا موجب بنی تھی۔ اب اسی حکمت عملی کی بنا پر اچھوتوں کو ساتھ ملانے کا شور بلند کیا جاتا ہے۔ میں ان ہمدردوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا متوکا دھرم شاستر منسوخ ہو چکا ہے؟ اس میں لکھا ہے کہ ”شودر خواہ خریدار ہو یا غلام ہو نہ ہو مگر اس سے غلام کا کام لینا چاہیئے۔ اس لئے کہ برہمن نے شودر کو پیدا ہی برہمن کی خدمت کے لئے کیا ہے۔“ اگر شودر کو اسکا آقا آزاد ہی کر دے۔ تو اس حالت میں ہی وہ غلامی سے نجات نہیں پاتا۔ کیونکہ غلامی اس کی فطرت میں داخل کر دی گئی ہے۔ اور فطری پابندی سے اُسے کون آزادی دلا سکتا ہے۔“ ”برہمن شودر کے مال و اسباب پر بلاتامل قابض ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شودر کی کوئی چیز بھی اس کی ملکیت نہیں اس کی جائداد اسکا مالک ہر وقت لے سکتا ہے۔“

اچھوت قوموں کو ہوشیار رہنا چاہیئے

آگے چلکر آپ فرماتے ہیں۔

» کیا تم (اچھوت قومیں) ان شاطرانہ چالوں کے فریب میں آ جاؤ گے؟ میرا خیال ہے کہ کبھی نہیں۔ وہ وقت گزر گیا۔ جب ہمارے معمولی مطالبات بھی گناہ سمجھے جاتے تھے۔ برطانوی حکومت کی انصاف پسندی نے ہمیں کسی حد تک آزاد کیا۔ اب ہم ہندوؤں سے یہ کہنے کے حقدار ہیں کہ تمہارے اباؤ اجداد نے ہمارے ملک پر قبضہ جمایا ہمیں غلام بنالیا۔ اور ہمارا تمدن تباہ کر دیا۔ تمہارے دلوں میں ہمارے متعلق اچھا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ ساہوکار اور ہندو بھائیوں ۲۲ کروڑ ہندوؤں کے نام پر جو حقوق لئے جاتے ہیں۔ ان میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ تمہاری آبادی پندرہ کروڑ ہے۔ اپنی ذاتوں کے ہندو جو آج تمہارے ہمدرد بنے بیٹھے ہیں۔ ڈر رہے ہیں کہ تم جو برطانوی حکومت کی عام انصاف پسندی میں حاصل کی ہوئی تعلیم کے باعث طلسم فریب سے آزاد ہو چکے ہو۔ کہیں کھوں اور مسلمانوں کی طرح سیاسی مجالس میں جداگانہ نیابت لیکر اعلیٰ عہدوں پر نہ پہنچ جاؤ۔ اپنی ذات کے ہندو اس صورت حالات کو کیونکر برداشت کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلے نظم و نسق ملک میں ان کا تناسب ایک تہائی رہ جاتا ہے۔ دوسرے جن لوگوں کو انہوں نے پانچ ہزار سال تک غلام بنائے رکھا۔ ان کی آزادی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ کیا تمہارے کانوں میں بار بار یہ آواز نہیں پہنچ رہی کہ اگر کہاروں نے تعلیم حاصل کر لی تو ہمارے برتن کون دھو بیٹھا۔ اگر چار زید علم سے آراستہ ہو گئے تو ہمارے لئے عمدہ یوٹ کون بنائیگا۔ اگر ہنگلی پڑھ لکھ گئے۔ تو ہمارے پاخانے کون صاف کریگا؟ کیسی صاف اور سچی باتیں ہیں۔ وہ ہندو جو مسلمانوں کو قلت تعداد کے باعث دبانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ خود کتنے رہ جاتے ہیں؟ صرف سات کروڑ مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ ستیہ دیو جی اور اسی قماش کے دوسرے ہندو لیڈروں کو جو مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ انہیں ہندوستان

کے واحد مالک ہونے کے دعویدار ہیں، اچھوت کافر نس کے خیالات پر قاصد کو
غور کرنا چاہیے۔ کہیں مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالتے خود ہی بلور یہ بستر
اٹھانے پر مجبور ہو جائیں۔

ہندوؤں کے اچھوتوں پر مظالم،

صدر صاحب نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ آریوں نے اصلی باشندوں (اچھوتوں) کے تمدن
و تہذیب کو کس بیدردی سے تباہ کیا۔ اُنکے طریقہ کو کس طرح نیست و نابود کیا۔ اُنہیں
ذلیل کرنے کے لئے کیسے کیسے قوانین بنائے گئے۔ اور اُنکی آج بھی کسی کسی مثالیں
جنوبی ہند میں ملتی ہیں۔ لکھتے ہیں۔

”آج برطانوی ہند میں آریہ اچھوتوں کی آزادی کے حامی بنے بیٹھے ہیں۔ لیکن نو
آریہ (ہندو) ریاستوں میں اچھوتوں پر ایسی سختیاں ہو رہی ہیں۔ جنکو انسانیت سے
عار ہے۔ ہندوؤں کا مقصد محض یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی نہ کسی طرح اچھوتوں کو اپنی
غلامی میں رکھیں۔ اور اُنکی کثرت اتحاد سے فائدہ اٹھا کر حقوق لیں۔ اور خود مزے
کریں۔ کیا وہ ایک ہی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے مقامی مجاس یا
کونسلوں کے کسی قابل اچھوت امیدوار کے حق میں رائیں دی ہوں۔ اگر کوئی ایسی
مثال ہے۔ تو پیش کریں۔ اس کے خلاف ہمیں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی اچھوت
نے انتخاب میں امیدوار بننے کی جرأت کی۔ تو ہندوؤں نے اُسے نفرت سے
شکست دیدی۔ مثلاً مسٹر دیوین چرمکار۔ کانپور سے امیدوار کھڑے ہوئے
تھے۔ محض اس جرم کی بنا پر نا کام رہے۔ کہ وہ نام نہاد اچھوت شور تھے۔“

ہندو اخبارات اور بیڈ بورڈات دن مسلمانوں کو ہندو تہذیب کے
اختیار کرنے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ انہیں اس خطبہ کو پڑھ کر اپنے گریبان
میں منہ ڈال لینا چاہیے۔ جو قوم دوسروں کی تہذیب کو زبردستی ایسا نیست و
نابود کر دے۔ کہ اسکا نام و نشان تک ہندوستان میں نہ رہنے دے۔ وہ بدنی

تہذیب پر کہاں تک فخر کر سکتی ہے۔ اور اپنا مکان شیشے کا بنا کر دوسروں پر
بمقہر پھینکنا اس سے کہاں تک مذہب ہے۔

محمد علی

عورتیں اور ویدک دہرم

یہ مضمون ۱۹۲۲ء کے فوربس از قلم جناب لالہ بہگت رام صاحب
سکرٹری جیو دیا سبھا فیروز پور چھاوٹی شائع ہو چکا ہے۔ اور اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی
تو انہیں دونوں اور بھی کئی ایک اخباروں میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ اس لئے کہ یہ
مضمون ایک بے تعصب ہندو کی قلم سے ہونے کی وجہ سے زیادہ وزن رکھتا ہے
لہذا ہم اس مضمون کو اپنے کسی حاشیہ کے بغیر مجتبہ درج ذیل کرتے ہیں۔
”ویدک دہرم کی رو سے کوئی ہندو غاوند اپنی بیوی کو کسی قسم کی ناراضگی پر جب
چاہے گھر سے باہر تو نکال ہی سکتا ہے۔ مگر اس بیوی کی گود میں کوئی شیر خوار چھوٹا بچہ ہو
تو وہ اس معصوم بچے کو اس کی والدہ کی قدرتی اور لازمی حفاظت سے ہی محروم کر سکتا
ہے۔ اور یہ ننھے ننھے اور معصوم اولاد پر ایسی سختی ظلم ہے۔ کہ جس کی تلافی دنیا کی کوئی
چیز نہیں کر سکتی۔ کیونکہ والدہ کی گود ننھے ننھے بچے کے لئے دو جہان کی سلطنت سے بھی
قیمتی ہے۔ اور اس کے بالمقابل دین اسلام میں اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق
بھی دے تو وہ ایسے بچے کو اس کی والدہ کی قدرتی نگرانی سے محروم نہیں کر سکتا۔
بلکہ سات برس تک لڑکا اور چودہ برس تک لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ رہ سکتی ہے۔
ویدک دہرم کا فلسفہ ہی نرالا ہے۔ لیکن خوش قسمتی اتنی ہے کہ ہریان گورنمنٹ نے
اس عجیب ویدک دہرم کے اس فتوے کو ضروری نہیں سمجھا۔ بلکہ معصوم بچے کی سب سے
زیادہ بہتری اور بھلائی کے مطابق ہی عمل کرنا واجب اور ضروری سمجھا ہے۔

(۲) ویدک شاستروں کے اندر جب کسی نے اولاد کی خواہش کی ہے۔ تو صرف
لڑکوں کے لئے ہی کی ہے۔ لڑکوں کی پیدائش کی خاطر تو شاستروں نے طرح طرح

کے امپاؤ اور لگ بتا دیئے۔ اور صاف طور پر یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ بغیر لڑکوں کے
 مکتی (نجات) نہیں۔ مگر بیچاری لڑکیوں کے لئے برا تھنا اور لگ کر ناتو درکنا۔ بلکہ
 انکے واجب انسانی حقوق کو یہی نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ ویدک دھرم نے ہندو گھر
 میں لڑکے کا ہونا مکتی یعنی نجات کا ہی ایک ذریعہ قرار دے دیا ہے۔ اور اس طرح
 پر بھی بیچاری لڑکیوں کی طرف سخت نفرت کو بڑھا دیا ہے۔ علاوہ انہیں لڑکا تو (اخلاق
 کے بگاڑنے والے) مسئلہ نیوگ سے بھی ماہل کرنے کرانے کی ہدایت بتلا دی ہے۔
 برعکس اس کے جس عورت کے لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوں۔ اس بیچاری کو گھر
 سے علیحدہ کر دینے کا حکم دیا ہے۔ (دیکھئے ستیا رتھ پرکاش سملاس چوتھا۔ مصنفہ
 سوامی دیانند سرسوتی) اور ان ہی وجوہات سے ہندوؤں میں جب کسی کے حق میں
 دعا بھی کرتے ہیں۔ تو غمو گامی کہتے ہیں۔ کہ ”ایشور تم کو بیٹا دیوے“ دیکھئے اسی ویدک
 دھرم نے بیچاری معصوم لڑکیوں پر کیسے کیسے ستم روا رکھے ہیں۔

(۳) ویدک دھرم کی رو سے لڑکوں کی بھلائی کے لئے ہندو گھروں میں بہت
 سے خوشی کے منسکار منائے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بیچاری لڑکیوں کے لئے
 ہندو گھروں میں کوئی خوشی کا منسکار نہیں ہے۔ لوہڑی وغیرہ کئی تہواروں میں
 لڑکوں کے پیدا ہونے۔ منگنے اور بیاہنے کی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اور لڑکیوں
 کی پیدائش پر اکثر ہندو گھروں میں ماتم چھا جاتا ہے۔ نہ معلوم ویدک دھرم کی عظمت
 کوئی بات میں سمجھی جاتی ہے؟

ہزاروں لاکھوں برسوں تک ہندوؤں اور آدیوں میں دختر کشی کا رواج
 جاری رہا۔ اور اب تک بھی اس ظالمانہ رواج کا کچھ نہ کچھ بقایا پوشیدہ طور پر موجود
 ہے۔ سوامی دیانند جیسے رشتی منی بھی بہتیرے ہوئے۔ مگر کسی نے ہی ویدک دھرم
 کی طرف سے بیچاری لڑکیوں کے برخلاف سخت نفرت کو دور کرنے کرانے کی پرواہ
 نہیں کی۔ اور خود سوامی جی نے بھی لڑکیوں کی طرف سے لاپرواہی اور بے توہمگی ہی
 دکھائی ہے۔ اس طرح ویدادی شاستروں اور آریہ سادھو سنیا سیوں کی طرف سے

نچے بچوں کے ساتھ یہ سلوک ایشور کے آگے کبھی بھی نہیں منظور نہیں ہو سکتا۔ اور خواہ کتنی ہی لمبی لمبی سندھیائیں اور پرار تھنائیں کی جائیں ایسی ایسی سختیوں کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی اثر نہیں رکھتیں۔ نہ معلوم ہندو بیلاک اپنے معصوم بچوں کے اوپر سے ایسی ایسی بے اعتدالیوں کو دہر کرنے کرانے کے لئے اپنی سچی آواز کب اٹھا سکی؟ اب اس ویدک دھرم نے کمزور عورتوں پر جو جو بے انصافیاں روا رکھی ہیں۔ آپ ان پر یہی خدا غور کیجئے۔

ویدوں کے اندر بیٹوں۔ پوتوں اور پڑوتوں کے لئے تو تقسیم وراثت کا طریقہ درج ہے۔ مگر ان ویدوں کے اندر بیچاری لڑکیوں اور عورتوں کے حقوق کو بالکل ہی خاموش کیا گیا ہے۔ دہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں تو ہمیں مسلمان سلطانہ۔ اور حکمران کی مثالیں ملتی ہیں۔ مگر ویدک دھرم جس میں عورت کو سلطنت یا رواج پاٹ بطور ورثہ کے پہنچا ہو کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا (اگر یہ وید واقعی ایشور کرت ہیں۔ تو یہ سخت غلطی ایشور کے نام پر عائد ہوتی ہے۔ اور اگر کسی ہوشیار چالاک انسان کے بنائے ہوئے ہیں۔ تو ایسی ایسی غلطیوں کا ہونا کچھ بھی تعجب نہیں ہے۔ مگر کمزور مستورات کی حق تلفی کرنا یہ سخت ظلم اور گناہ ہے۔

آہ کیسا غصہ ہے! ویدک دھرم نے ہندو عورتوں کے واجب حقوق نہ تو انکے والدین کے ہاں ہی رکھے ہیں۔ اور نہ ہی سسرال والوں کے ہاں رکھے ہیں۔ دیسے کہنے کو تو عورت کو کبھی اور دہنگنی کبھی لکشمی اور کبھی دیوی کے نام سے تو پکار دیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اور دہنگنی کہلانے والی عورت کا اختیار ایک پیسے کا ہی نہیں ہے۔ اتفاق سے اگر کسی بیوہ کو کچھ وراثت ملتی یہی ہے۔ تو اس پر بھی اسکو پورا اختیار نہیں دیا جاتا۔ اور ٹھیک ہی کہاوت اس پر صادق آتی ہے۔ کہ ”سب گھر بار تمہارا مگر کوٹھی کو ہاتھ مت لگانا“ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ویدک دھرم کی عظمت اور فضیلت اس میں ہے۔ کہ انکی کی حق تلفی کرنے اور انکو دبائے رکھنے میں کوئی دوسرا مذہب ویدک دھرم کی برابری نہ کر سکے۔

بہت قدیم عرصے سے ہی وید اودی شاستروں اور بڑے بڑے رشی منیوں نے
بیچاری مستورات پر سخت سے سخت بے انصافیوں کو روا رکھا ہے۔ منو ہاراج اپنی
منو سمرتی (ادھیائے ۹ شلوک ۲-۳-۱۸) میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”عورت مرد کے بالمقابل ہمیشہ چھوٹے درجے کی ہی ہے۔ وہ ایسی بدہوتی
ہے۔ جیسا کہ جھوٹ۔ یہ اصول بالکل مقرر ہی ہے۔“

مضمون تاکہ لمبا نہ ہو منو ہاراج کا یہ ایک ہی بچن بطور نمونہ کافی ہے۔ کیا مردوں
کی ایسی بے جا عادتیں قائم کرنے سے ہی اس کو بھگوان منو کے نام سے پکارا جاتا ہے؟
اور سوانی دیانند جی اپنی ستیا رتھ پرکاش کے چوتھے سہاس میں لکھتے ہیں کہ تعلیم
حاصل کر چکنے کے بعد جب لڑکا گھر کو آئے تو اسے ایسی عورت کے ساتھ بواہ کرنا چاہیے کہ
درہنس اور مٹھنی کے تلبیہ کی چال ہو پھر کھشم لوم کیس اور دانت یکت ہو اور
جس کے سب انگ کو مل ہوں۔“

حق پسند اجاب ذرا غور فرمائیں۔ سوانی دیانند جیسے سنیاسی کی طرف سے اس قسم
کی ایک طرفہ اور بیجا ہدایتیں دی جانا۔ بیچاری سیدھی سادی نیک مستورات پر زیادتی
نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا آگے ویدک دہرم کی طرف سے استری جاتی پر سختیوں کی کچھ کمی
رہ گئی تھی۔ جو سوانی جی ہاراج کو اپنی ستیا رتھ پرکاش میں یہی ایسی بے انصافیوں کو
درج کرنا پڑا؟

جس رامائن کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا ایک بڑا ہاتھم یعنی کارہ ثواب سمجھا جاتا
ہے۔ دیکھئے اس میں غریب جاتیوں اور عورتوں کے متعلق کیا لکھا ہے۔

”ڈھول۔ گتوار۔ شودر۔ پشو۔ ناری۔ یہ سب تاڑن کے ادھیکار ی۔“

(سندر کا تڈنبرہ)

کیا ایسی ایسی دہرم پستکوں کے اندر غریب شودروں اور مستورات کو تاڑنے (یعنی
مارنے پیٹنے اور دھکے مارنے) کی ہدایتیں درج کرنا دنیا میں کمزوروں پر ظلم کی زور پڑھانے
کے برابر نہیں ہے؟ کیا ویدک دہرم کے اندر مرد سب ہی دیوتا سردپ ہوتے ہیں۔ اور

سید علی شاہ

یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ شودر لوگ اور استریاں ہمیشہ ہی بے سمجھ اور مورکھ ہوتی ہیں۔
ویدک بواہ کے جتنے بھی نیم یا اصول ہیں۔ اکثر بے انصافی اور پکشتیاں پر مبنی
ہیں۔ پرشوں کے ادھیکار (یعنی اختیارات) بے حد لکھے ہیں۔ اور اتنے لمبے کسی بھی
قاعدے کی پابندی کرنا ضروری نہیں ٹھہرایا (ان کے لئے سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔
یہی معلوم پڑتا ہے۔ کہ ویدک دہرم کا اصلی مدعا مردوں کو ہی خوش رکھنا ہے۔ نہ کہ دنیا کے
اندر عدل و انصاف کو پھیلانا۔

ویدک دہرم کے اندر عورتوں کو وراثت کا ملنا تو دور رہا۔ اگر کوئی عورت اپنی
محنت مزہوری سے کچھ روپیہ پیسہ ہی کمائے تو اس نقدی پر بھی عورت کا اختیار نہیں
ہے۔ (دیکھئے منوسمیتی ادھیاء ۸ شلوک ۴۱۶) اور تو اور عورت بیجاری کو تو اپنی جان
کی رکھنا بھاپی پورا اختیار نہیں دیا۔ اتفاق سے خاوند نیک مل گیا زندگی اچھی کٹ گئی۔
بد قسمتی سے اگر ظالم خاوند سے واسطہ پڑ گیا تو یہ مثل
”و نہ جائے رفیق نہ پائے ماندن“

بیجاری کی ساری عمر ہی برباد اور خوار ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ ایسے ظالم مرد سے چٹکارا
حاصل کر سکتی ہے۔ اور نہ ہی ہندو سوسائٹی کے اندر کسی کو اپنے دکھوں کی داستان
سُنا سکتی ہے۔ آریہ اختیارات اور آریہ لیڈر یاہر کی دنیا کے آگے اکثر فخریہ یہ کہا کرتے
ہیں۔ کہ ویدک بواہوں میں عورتوں کے جھگڑے نہیں اُٹھتے۔ جھگڑے اُٹھیں کیسے؟
جیکہ جاہلانہ رسم و رواج نے بیجاری ہندو عورتوں کے لئے شکایت کی گنجائش
ہی نہ چھوڑی ہو۔

ناظرین غور فرمائیں۔ ویدک دہرم نے مستورات کے جھگڑے بند کرنے کرانے
کا کیسا ہی عمدہ ڈھنگ بتایا ہے۔ زبردست مارے اور رونے ہی نہ دے کیا خوب
طریقہ ہے!

اور دیکھئے آج کل کے آریہ پُرش کس طرح ویدک دہرم کی ان سب خرابیوں کو
دیائے اور چھپائے چلے جا رہے ہیں۔ اور عوام الناس کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں۔

دیکھئے اس ویدک دھرم کی اوٹ میں معصوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ کیسے
کیسے سلوک ہوتے رہے ہیں۔ اور یہی ایک بڑا باعث معلوم ہوتا ہے۔ جو آریہ
لوگ اپنے قدیم اور تاریک حالات کو کسی تواریخ کی صورت میں خود قلمبند نہیں کر سکے۔
اور ویدک دھرم کی ان ہی کمزوریوں کی وجہ سے آجکل کی آریہ سماج میں راستری جاتی اُدھار
کے متعلق نہ کوئی کتاب یا مضمون خود لکھتے ہیں۔ اور نہ ہی دوسروں کے سوالات کا
تسلی بخش جواب دے سکتے ہیں۔ نہ معلوم آریہ پُرش بیدل کو کب تلک تاریکی میں رکھے
چلے جائیں گے؟

دنیا میں جو انسان کسی دھرم یا رسم و رواج کے نام پر ایسے ایسے بے انصافیوں کو دیکھے اخلاق اور انصاف نفی کر رہا ہے۔ کہ وہ اپنی طرف سے صدائے حق کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اور عدل و انصاف کو بڑھانے میں معاون ہو۔ درحقیقت ایسی ہی زندگی سرب تہکاری اور سب کے مالک پر مشور کے آگے منظور ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں اپنے انسانی فرائض سے بھی سرخروئی ہے۔



اسلام اور عورت

برخلاف اس کے اسلام جو درجہ عورت کو دیتا ہے۔ وہ ذرا ملاحظہ کیجئے۔ اس کے ملاحظہ سے ہر ایک سید الفطرت اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا درجہ دیا۔ اور آئینہ کل جو کچھ عورتوں کے احترام کے لئے بیرونی دنیا سے جدا بلند ہو رہی ہے۔ یہ سب اسلام کے ہی طفیل ہے۔

مَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَاوِلًا سَلَامًا
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يَبْغُضُونَ تَقِيْرًا (پ کا نساء)

ترجمہ :- جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت۔ حال یہ ہے کہ مومن ہو پس بے لوگ جنت میں داخل ہونگے۔ اور ان پر ذرا ہی ظلم نہ ہوگا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً
طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا كَمِثْلِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (پ کا النحل)

ترجمہ :- جو شخص نیک کام کرے مرد ہو یا عورت ہم اُسے پاک ستھری زندگی عطا کرینگے۔ اور انکے اچھے کاموں کے بدلہ میں انہیں اجر دیں گے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ
وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ
وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّامِعِيْنَ وَالصَّامِعَاتِ
وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَاتِ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (پ کا احزاب)

ترجمہ :- بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبرداری کرنے والے اور فرمانبرداری کرنے والیاں اور صدق والے اور صدق والیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور فروتنی کرنے والے اور فروتنی

کرنے والیاں اور تصدق کرنے والے اور تصدق کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرمگاہوں کی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اس کو بہت یاد کرنے والے اور بہت یاد کرنے والیاں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآزُوجُكُمْ تُحْبَرُونَ (پیش از حرف)

ترجمہ:- داخل ہو جاؤ جنت میں اور تمہاری بیویاں بڑی خوشی اور امن میں۔
حَتَّىٰ تَعْلَمَ عَدْنُ يَدُهَا وَأَوَّلُ رُجُلِهَا وَهُمْ فِيهَا عَمَلَ يُحِبُّ (پیش از عد)

ترجمہ:- ہمیشہ اقامت کی جنتیں ان میں داخل ہونگے۔ اور ان کے ساتھ ان کے صالح باپ اور بیویاں اور اولاد بھی۔

صرف ان آیات پر غور کرنا کافی ہے کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کس طرح قائم کئے ہیں۔ اور ان کے اعمال اور اجر کو کیسے مساوی درجہ پر رکھا ہے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ اسلام نے عورتوں پر کس قدر احسان کیا۔ مختصر یہ کہ اسلام کے قبل عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسلام نے عورت کو وہ درجہ دیا کہ جس کو دیکھ کر دیگر مذاہب پر بھی طوعاً یا کرہاً عورت کی حیثیت کو تسلیم ہی کرنا پڑا۔ لہذا ہر مذہب میں اسلام نے عورت ذات پر جو لطف و کرم فرمایا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

ان لوگوں کو غور کرنی چاہیئے۔ جو نادانی یا تعصب سے اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اسلام نے عورتوں کی روح کے لئے بقا اور خلود نہیں مانا۔ افسوس ان پر اور ان کے اتباع پر۔ دامن غور کریں۔ اس مساوات حقوق اور نگاہداشت حقوق میں اور مقابلہ کریں۔ ان واجب ہدایتوں سے جو عورتوں کے متعلق آیات کی مقدس کتابوں سے مذکور ہوئی ہیں۔

اس علاقہ میں اکثر مقامات میں یہ زبردست تحریک پیدا ہو رہی ہے۔
 کہ نزدیکی رشتہ داری کی بندشوں کو توڑ دیا جائے۔ منگمری۔ جنگ
 اور شاہ پور کے اضلاع اس پر بہت آمادہ ہیں۔ اور وہ چھپر پھیر مسیر
 کے ہاں شادیوں کا سلسلہ جاری کر کے اس روگ کو دور کرنا چاہتے
 ہیں۔ بلکہ کئی افراد تو اس قسم کے رشتے کر چکے ہیں۔“

لالہ جی نے ہندو لیڈروں اور عالموں سے ایبل کی ہے۔ کہ وہ اس جدید
 تحریک پر غور و خوض کریں۔ اور قوم کو کسی صحیح شاہراہ عمل کی ہدایت کریں۔
 ہمارا خیال ہے کہ یہ نئی رو جو ہندوؤں میں چل پڑی ہے۔ اب دب نہ
 سکے گی۔ بلکہ روز بروز رو بہ ترقی ہوگی۔ اس سے رشتہ داری کی بہت سی وہ مشکلات
 جو اس وقت ہندو قوم کے اندر پائی جاتی ہیں۔ حل ہو جائیں گی۔

کیا یہ اسلام کے تہذیب و تمدن کی نمایاں فتح نہیں ہے۔ کہ آج سے کچھ عرصہ
 قبل اسلام کی جس خوبی پر یہ لوگ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ آج اسکے سامنے خوشی اپنی
 گردنیں جھکا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی نمایاں کامیابی ہو سکتی ہے۔ کہ
 مخالفت خود اپنے افعال سے اسلام کی خوبیوں پر ہر تصدیق لگا رہے ہیں۔

جو ا اور قدیمی زمانہ ڈ { یہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہماہارت
 کے زمانہ میں جوئے کا بہت رواج تھا۔ اور
 اسے چنداں عیب نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہماہارت کی لڑائی کی روح رول
 پارٹی پانڈو نے اپنا راج پاٹ سب ۔ ۔ ۔ کچھ اس نامراد جوئے کے پانے
 کے تذکرہ دیا۔ اور خود وید مقدس میں ہی اس کی کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ بلکہ بعض
 بعض جگہ تاہیدی رنگ کے آول جس کتاب نے اس منحوس اور اخلاق کش رسم جو
 کے برخلاف اپنی آواز بلند کی وہ قرآن پاک ہی کی مبارک آواز تھی۔ اور اس کے
 بعد دنیا نے اس مذہب و رسم کے متعلق اپنی ذہنیت کو بدلا دیا تو اس کی بُرائیاں
 اس قدر اظہر من الشمس ہو چکی ہیں کہ آجکل کوئی ہندو سوسائٹی اس رسم بد کو پسند نہیں

کرتی۔ مگر یہ کس کی برکت صرف اسلام کی۔ اگر اسلام اس رسم بد کا استیصال نہ کرتا تو اس
بد رسم کی وجہ سے قریباً ہمیشہ قمار بازی کا منحوس نظارہ لوگوں کے سامنے
قائم رہتا۔ یہ اسلام کے تمدن اور تہذیب کا ہی اثر ہے۔ کہ آج یہ حیثیت بخوشی وہ
اقوام بھی اس بد رسم کے مخالف ہیں۔ جن کی مذہبی کتب یا مذہبی رسومات اس کے جوڑ
کے قائل ہیں۔ کیا اسلام کے تمدن کا یہ ہندوستان پر کچھ کم اثر ہے۔ اس لئے ہم
جس قدر بھی اسلام اور اسلام کے مقدس نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا
کریں۔ کم ہے۔ کہو

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

فن تعمیر اور ویدک زمانہ
ویدک زمانہ فن تعمیر سے بالکل معرا تھا چنانچہ
انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف پنڈت میس چندر دت
صاحب باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ

یہ بات ہی مان لی گئی ہے۔ کہ وید میں کوئی مفصل اشارہ فن سنگ تراشی
کے متعلق معقول طور پر بیان نہیں ہوا۔ متجسس آثار قدیمہ ہندوستان کے ہر حصہ میں
تراشیدہ پتھر کے کھوجوں کی بابت بدھ مت سے بہت پہلے کا حال تحقیق کرنے
سے تا کام رہے ہیں۔ بر خلاف اسکے یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانے مصر
بابل یونان اور روم کی قدیم سنگی یادگاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ مگر ہندوستان
نے کوئی ایسی یادگار نہیں پیش کی اور پھر جب اس کے ساتھ پروفیسر باپویشوری

پرشاد صاحب کی تاریخ ہند اور قرون وسطیٰ کو لاکر پڑھا جائے۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

۲۔ کہ مسلمانوں نے شاندار اور خوبصورت عمارات تعمیر کر کے ہندوستان کے فن تعمیرات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہ بات بالکل صاف ہے۔ کہ فن تعمیر کے متعلق مسلم تمدن نے جو ہندوستان کی تمدن پر اثر ڈالا اس نے بقول بالادیشری پرشاد صاحب ہندوستان کے فن تعمیر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ مشرقی طرز کی خوبصورت عمارتیں یا مندر وغیرہ جو ہندوستان میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب مسلم تہذیب کے رہیں منت ہیں۔ اگر ہندوستان میں اسلام کا مبارک قدم نہ آتا تو آج بھی ہندوستان ان مشرقی طرز کی خوبصورت اور دلغریب عمارتوں سے ایسا ہی خالی ہوتا۔ جیسا کہ آج سے چند صدیاں پیشتر تھا۔

کیراٹنا اور سیٹا { فن تعمیر کی طرح یہ بات بھی مسلم ہے کہ ویدک زمانہ کے لوگ کیرٹے کے ٹپٹے اور سینے سے قطعی ناواقف تھے۔ خاصاً مدت تک ہوج پتر اور مرگ چھالا (ہرن کا چمڑا) وغیرہ سے کام لیا گیا۔ چنانچہ اسوقت بھی بعض ہندو فقرا مرگ چھالا کا استعمال کرتے ہیں۔ اور ویدک متراور تاریخ ہی بہت حد تک ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ دی سولیزیشن این شٹ آف انڈیا (قدیم ہندوستان کی تہذیب) کے فاضل مصنف جناب پنڈت روشن چندر دت صاحب سی۔ آئی۔ ای اپنی اس مشہور کتاب کے تیسرے باب میں ارقام فرماتے ہیں۔

ایک عجیب فقرہ میں (۲۰۹x۶) کوئی خاص رشی مذہبی رسوم کی اس امر کی بنا پر ناواقفیت کے سبب بایں الفاظ اظہار تاسف کرتا ہے۔ کہ میں نہ تانا تننا جانتا ہوں۔ اور نہ تانا بننے سے آگاہ ہوں۔ ایک دوسری جگہ (۶x۲۶x۱۰) پادپہ بانی سفید پوش دیوتا کی طرف منسوب ہوئی ہے اس سے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ

کہ بڑے بڑے رشی اور مُنی بھی اس امر کو خواہشمند تھے کہ کاش ہمیں بھی تانے اور بانے کا ہنر یاد ہوتا۔ دوم پانچہ بانی کے ہنر کو ان کے ہاں ایسا خوابِ خیال سمجھا جاتا تھا کہ ان کے نزدیک یہ ہنر صرف دیوتاؤں کے لئے ہی تھا۔ جن کا وجود بادی النظر میں ایک وہم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ گو یہ مذکورۃ الصدد اقتباسات ہی بہت حد تک اپنے موضوع پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر اسے بہادر چنتا منی و نائیک ویدایم۔ اے ایل ایل بی ہما بھارت میمانسا (ہندی ترجمہ) میں جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ ہمارے اس دعوے اور مضمون کے دو ٹوک فیصلہ کرنے کے لئے ایک بہترین حج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ اس وقت کے زمانہ پر روشنی ڈالتے ہیں جبکہ آریہ ورت کے باشندوں کو کپڑا بننے کی صنعت تو کسی حد تک آچلی تھی مگر سینے کے ہنر سے ناواقف تھے۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود ہی اس سینے کے ہنر کو اپنے ساتھ لایا۔ جیسا کہ اسے بہادر موصوف ایسا عالم فاضل مصنف اپنی مشہور کتاب ہما بھارت میمانسا میں اس کے متعلق بدیں الفاظ تحریر فرماتا ہے۔

”ہما بھارت کے زمانہ میں ہندوستانی آریہ مردوں کی پوشاک بالکل سادی تھی دودھوتیاں ہی ان کی پوشاک تھیں۔ ایک دھوتی کمر کے نیچے پہن لی جاتی اور دوسری بدن پر چاہے جس طرح ڈال لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں آریہوں کی یہ پڑائی پوشاک اب تک بعض علاقوں میں اور قدیم خیال کے ہندوؤں میں موجود ہے۔۔۔۔۔۔“

یہ دھوتیاں اور کپڑا بنانا بہت سہل تھا۔ اس لئے ان کا رواج ہو گیا ہو گا کیا امیر اور کیا غریب سب کے لئے یہی راستہ تھا۔ اور دھوتی پہننے کا یہ طریق بھی ایک سا ہی تھا فرق صرف اتنا ہی ہو گا۔ کہ بڑے آدمیوں کی دھوتیاں ہمیں سوت کی ہونگی۔ اور غریبوں کی دھوتیاں معمولی موٹی چھوٹی ہوتی ہونگی۔ یا جامہ پہننے کا رواج قدیم زمانہ میں نہ تھا۔۔۔۔۔۔ یہ ضروری نہیں کہ کمر سے اوپر کا بدن کپڑے سے ڈھکا ہی رہتا ہو۔ کئی حصوں میں تو وہ کھلا ہی رہتا تھا۔۔۔۔۔۔ بدن کو ڈھکنے والے اوپر کے کپڑے کا ذکر بہت سی کم بگھوں پر ہے۔ مگر پھر بھی یہ ثابت ہے کہ۔۔۔۔۔۔ اوپر کا

کپڑا ہوتا تھا۔ معمولی کام کاج میں اوپر کے کپڑے سے کچھ دقت نہ ہو سکے۔ اسلئے طالب علموں کیواسلئے یہ قاعدہ تھا کہ وہ داہنا ہاتھ دوپٹے سے نکالکر بائیں کندھے کے اوپر گانٹھ لٹکالیتے تھے۔ مذکورہ بالا دو کپڑوں کے سوا ہندوستان کے باشندوں کی پوشاک اور کپڑے نہ تھے۔ پاجامہ اور انگر کہا اس وقت تھے ہی نہیں ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتریونت کر کے طرح طرح کے کپڑے سینے کا فن اس زمانہ میں نہ تھا۔ اسوقت درزی کا پیشہ معلوم نہیں تھا۔ یہ مانتا پڑتا ہے۔ کہ یہ پیشہ مغربی روزگار ہے۔ اولاسکا اسطرف سے آنیکا قیاس کرنا پڑتا ہے۔ ممکن ہے۔ بکندر کے ساتھی یونانی ہی اس فن کولائے ہوں۔ یاشاید اس سے پیشتر بادشاہ دارا کے زمانہ میں ایرانی لوگوں نے دریائے سندھ کے مغرب کی طرف سے جو حصہ فتح کیا تھا اس وقت ان کے وہاں رہنے سے ہندوستانیوں نے یہ فن سیکھا ہو۔ کیونکہ ہماہارت میں درزیوں کا کام کسی کاریگر کے متعلق نہیں آیا۔ سسکرت میں درزی کے لئے تن دائے لفظ ہے۔ مگر ہماہارت میں یہ لفظ ہی نہیں آیا۔ سنا۔ لوہار۔ ٹھٹھیرے اور موچی وغیرہ کا نام تو ہماہارت میں ہے۔ مگر تن دائے کا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہارتی کی لڑائی میں سلسلے کپڑے بٹری اور انگر کے وغیرہ نہ تھے۔ اور یہ حالت ہماہارت کے وقت تھی۔ (صفحہ ۶۳-۶۴)

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہے۔ کہ ہماہارت کے وقت ہندوستانی آریہ لوگ پوشاک کے معاملہ میں بالکل سادہ تھے۔ آگے چلکر ہی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آج کل ہندوستان میں اعلیٰ طبقہ کے لوگ جو پوشاک پہنتے ہیں۔ وہ بیرون ہند کی ہے۔ یہ یونانی۔ فارسی مسلمان اور انگریز لوگوں سے لی گئی ہے۔ خا صکر مسلمانوں کی نقل ہے۔ (صفحہ ۶۴)

ساتویں صدی میں چینی مسیاح ہوئے۔ نسانگ ہندوستان میں آیا تھا۔ اس نے پوشاک کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ

”یہاں کے لوگوں کے گھر میں پہنے جانے اور باہر پہنے جانے والے کپڑوں میں سلاخی کا کام قدر اہی نہیں ہے“ (ص ۲۷۳)

اب اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ اس وقت ہندوستان میں جن اچھے اچھے کپڑوں سے لوگ ملبوس نظر آتے ہیں۔ یہ بقول راجہ جی پنتا سنی صاحب بہت حد تک اسلام سے لئے گئے ہیں۔ اب مقابلہ کرو ایک دہوتی وغیرہ کا آجکل کے پاجامہ اور پگڑی اور کوٹ و قمیص وغیرہ سے اس موجودہ لباس سے قدیمی لباس کی وہی نسبت ہے۔ جو خولاک کے لئے چھٹے ہوئے دانوں کو موہن بھوک سے ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان اپنے مبارک قدموں سے اس ہندوستان کو شرف نہ بخشے تو یقیناً آج ہندوستان لطیف اور نفیس زمانہ اور مردانہ پوشاکوں سے بہت حد تک تهید ہوتا۔ یہ اسلام کے تمدن کا ہی اثر ہے۔ کہ آج ہم ہندوستانی نفیس اور لطیف لباس سے ملبوس نظر آتے ہیں۔ اس فرق میں مسلمانوں نے ہند کے تمدن پر جو بہترین اثر ڈالا اس کے لئے اہل ہند جس قدر بھی مسلمانوں کا شکر یہ ادا کریں کم ہے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ لباس ہی انسان کو مہذب بناتا ہے۔ کسی کی گفتگو تو بعد میں اثر ڈالتی ہے۔ سب سے اول اس کی پوشاک ہی لوگوں کی نظروں میں اثر کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

چوتھا پہننا جہاں تک تاریخیں اور پرانی تصاویر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ جو تازہ پہننا کے معاملہ میں ہم بڑے بڑے پراچین ہندو دراجاؤں کو اور دیگر بزرگوں کو بے نیاز پاتے ہیں۔ آج کل ہی تاریخی کتب یا ہندو صاحبان کی کتابوں یا رسالوں وغیرہ میں جب بعض بزرگوں کی تصاویر نظر پڑتی ہے تو اس میں جوتی کی احتیاج کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں جوتی کا رواج بہت کم تھا۔ یا تھا ہی نہیں۔ اگر تھا تو اسے اعلیٰ طبقہ میں کوئی کوئی چنداں وقعت حاصل نہ تھی۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے۔ کہ اس وقت آریہ اس فن سے ناواقف تھے۔ ہو سکتا ہے کہ چرٹے وغیرہ کا پرہیز ان کو اس صنعت کے

اختیار کرنے سے مانع رہا ہو یا چمڑے کا جوتا پہننے سے اُنہیں گریز ہوتا ہو۔ مگر سوال صرف اس قدر ہے۔ کہ اگر چمڑا یا چمڑے کا جوتا آج سے کچھ ہزار سال قبل ہمارے ہندو دونوں کی نظر میں ناپاک تھا۔ تو آج اس کے لئے کون سے نئے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ اور دوم اگر کسی وقت چمڑے کا جوتا ناپاک سمجھا گیا تھا۔ تو منج و غیرہ سے جوتے تیار کئے جاسکتے تھے۔ اور دوم چمڑے کے جوتے کے ناپاک ہونے میں بھی کچھ شبہ ہی ہے۔ کیونکہ قدیم اور حال کے زمانہ میں یہی کئی سادہ ہوتا تھا مگر چھالا (ہرن کے چمڑا) پر بیٹھ کر خدا کی عبادت بجالانا معیوب نہیں سمجھتے۔ تو جو چمڑا بیٹھنے کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔ تو پھر جوتا بنانے کے لئے وہ کیوں کام نہیں آسکتا۔ لہذا ان تمام باتوں پر غور کر کے یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس وقت کے لوگ جوتا بنانے کی صنعت سے ناواقف تھے۔ اور یہ صنعت بھی مثل دوسری صنعتوں کے اسلام ہی اپنے ساتھ ہندوستان میں لایا۔ چنانچہ اب بھی جس حقہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے۔ مثلاً مدراس وغیرہ وہاں جوتے کا رواج ہی بہت کم ہے۔ اور مذکورہ اصد و جوات کو مد نظر رکھ کر یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ کہ اسلام جہاں اور بہت سی عمدہ خوبیاں اپنے ساتھ لایا۔ جس نے ہند کی مذہبی مجلسی اور تمدنی حالت کی کاپی لٹ دی۔ وہاں وہ بقا و انسانی کی اس ضروری صنعت کو بھی اپنے ساتھ ہی لایا۔ جس سے اب مسلمان اور ہندو یکساں مستفیض ہو رہے ہیں۔

برودہ گری برودہ گری اور برودہ فروشی کی بُرائیاں آج کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اسلام کے ظہور کے قبل نہ صرف دیگر مالک ہی اس بد رسم میں مبتلا رہے۔ بلکہ یہ ہندوستان بھی اس میں شامل تھا۔ بلکہ اگر پچھو تو اس شق میں ہندوستان کا درجہ برودہ فروشی کے حافی مالک سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ کیونکہ ہندوستان نہ صرف برودہ فروش ہی تھا۔ بلکہ برودہ گری بھی۔ خود روں کے لئے جو ہر طرح کی ترقی کے وسائل بند کئے گئے تھے۔ اور انہیں نسلاً بعد نسل باوجود انسان ہو کر حیوان بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بدتر زندگی میں رہنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ اس سے

بڑھ کر بردہ گری اور کیا ہو سکتی ہے۔ مگر اس بردہ گری کے ساتھ بردہ فروشی کی رسم بھی کم نہ تھی۔ چنانچہ بھائی پرمانند صاحب اپنی کتاب تاریخ پنجاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:-

لرین (ایک سیاح کا نام) کہتا ہے۔ کہ ٹیکسلا میں بردہ فروشی ہوتی تھی۔ اب صاف ظاہر ہے۔ کہ اس بردہ گری اور بردہ فروشی کے برخلاف سیکے اول اسلام نے ہی تیردست آواز بلند کی۔ اور اس وقت ہی جہاں اسلام کی روشنی کم پہنچی ہے (مثلاً نیپال) وغیرہ میں اسکا رواج ہے۔ جس کے متعلق حال ہی میں ہمارا یہ صاحب نیپال نے اس بدرسم کو بند کرنے کے لئے کوشش فرمائی ہے۔ لہذا اس بردہ گری اور بردہ فروشی کے استیصال کے لئے جو کارہائے نمایاں بنی نوع انسان کی بھلائی کیواسلئے اسلام نے کئے۔ اس سے یہ ہندوستان ہی مستفیض ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ شودرل کو شودرین کی محنت سے پاک کرنے کے لئے اس وقت جو ہندوؤں کے مختلف فرقوں میں جدوجہد ہو رہی ہے۔ یہ سب اسلامی تہذیب کا ہی اثر ہے گویا اسلام اس بات کا بھانپ کر کر سکتا ہے۔ کہ یہ دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے انسانوں کو حیوانی زندگی سے نکال کر انسانی صف میں لا کھڑا کیا۔ اگر اسلام کا قدم مبارک ہندوستان میں نہ آتا تو آج بھی کھلانے والے شودروں کی وہی دروشا ہوتی۔ جو کہ آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ لہذا اس کے لئے کھلانے والے شودر اسلام کا جس قدر بھی دہنیا داوڑ شکر یہ کریں کم ہے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں وارد ہونے سے قبل ہندوستان کے

تاریکات ہر ایک صوبہ کی مختلف زبان تھی۔ پشاور والے کے لئے لاہور اور لاہور والے کے لئے دہلی اور دہلی والے کے لئے الہ آباد اور الہ آباد والے کے لئے کلکتہ والے وغیرہ کی زبان سمجھنی بہت مشکل تھی۔ پشاور والا کہتا ہے۔

”چہ رانا زنی“۔ جہلی ”کتھے ونجدا ایس“۔ لاہوری ”کتھے چلیاں ایس“

دہلی والا کہتا ہے۔ ”کہاں جاتے ہیں“۔ بنگال والا کہتا ہے ”کو تہا جائے میں“

مگر اب اردو زبان مسلمانوں کے طفیل ہندوستان کو ایسی ہمہ گیر زبان ملی ہے۔ کہ پشاور سے
 رنگون اور کشمیر سے لیکر اس کمارہی تک غرضیکہ تمام ہندوستان میں یکساں سمجھی جاتی
 ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق جناب پروفیسر بالوایشی پرنسپل صاحب اپنی تالیف
 ”تاریخ ہندو قرون وسطیٰ میں“ فرماتے ہیں۔

”وہ کہ مسلمانوں نے ملک کے اندر ایک نئی زبان رائج کی۔ جو اپنے اندر ایک حیرت
 انگیز ادنیٰ ذخیرہ رکھتی ہے۔“

گو اس وقت مسلمانوں سے صد کیوں سے ہندوؤں نے ہندی پر بہت زور
 دیا ہے۔ مگر جو حیرت انگیز قبولیت کا مادہ اردو حروف اور اردو زبان اپنے اندر رکھتی
 ہے۔ وہ ہندی میں کہاں۔ مثلاً اگر ذالک فصل اللہ کو ہندی میں لکھیں۔ تو
 ہوگا۔ ”جالیکا پھیل“ اب در ہندی زبان کی سلاست اور عام فہمی ہی ملاحظہ ہو۔

سوانی دیا نند صاحب کا بھوید پاش کا ہندی ترجمہ ۱۹۱۱ء
 پدارتھ جو پہلی پرکارا گن دیا کے گڑھن کرنے تہا جو اگن سے بھن انیہ پدارتھوں کو دیا
 کو جانتے ہارے دگیانی تپت لوگ کا دگیان اپر کاش کے بیج اپنے پدارتھوں کو دہارن
 کرنے روپ کر یا سے اتھ کو پراپت ہوتے ہیں۔ ان پتروں کے لئے سویں پر کاش
 مان پر ماتما اس پراؤں کو پراپت ہونے والے شری کو کامتا کے انوکول سمر تہہ کرو۔
 دوستو! کیا آپ کی سمجھ میں کوئی لفظ آیا۔ یہ زبان ہمارے ہندو دوست ہندوستان
 میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ جسے اور تو اور خود ہندوؤں کا بیشتر حصہ بھی نہیں سمجھ
 سکتا۔ اب دنیا اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو۔

جو اچھی طرح آگ کے علم سے واقف ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور علوم
 جانتے والے عالم بزرگ علوم وغیرہ کے ظاہر کرنے میں عمدہ چیزوں کو حاصل کر کے
 لطف (خط) کو پانے والے ہمارے بزرگ ہیں۔ اے روشن خدا ہمارے ایسے
 بزرگوں کے جسم کو بہت دیر تک قائم رکھو۔ ہم ایسی ہی خواہش کرتے ہیں۔

اب دیکھو یہ اردو زبان کیسی سلیس اور عام فہم ہے۔ جسے مسلمان اور ہندو

یکساں آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان ہندوستان میں نہ آتے۔ تو آج اس ہمہ گیر ادینی زبان سے یہ ہندوستان کا وسیع ملک بے نصیب رہتا۔ لہذا اس پہلو میں مسلمانوں نے ہندوستان پر ایک بینظیر احسان کیا ہے۔

رواداری اور ویدک دھرم ^۱ اول تو جو چارہ دونوں کی تعلیم ویدک دھرم نے ظاہر ہے۔ مگر متوجہ نے اس رواداری کو اور بھی زیادہ روشن کر دیا ہے۔ چنانچہ منو ۲۹ میں جس کا سوامی دیانند صاحب نے ہی ستیا رتھ پر کاش آٹھویں مولاس صفحہ ۲۹ میں حوالہ دیکر اپنے مسلمات میں لیا ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

”آریہ ورت سے باہر چاروں طرف جو ہمالہ کے مشرق اور جنوب مشرق۔ اور جنوب مغرب۔ مغرب شمال مغرب۔ شمال۔ اور شمال مشرق کے مالک ہیں جو لوگ کہتے ہیں۔ انہیں کا نام اسراور یہ ملیچھ دیش ہے۔

گویا اب جاپان اور چین۔ عراق۔ عرب اور یورپ و امریکہ کے رہنے والے بقول سوامی دیانند صاحب یہ سب اسراور یہ ملیچھ ہیں۔

علاوہ انہیں ستیا رتھ پر کاش کے ۱۳ و ۱۴ باب میں جو کچھ عیسائیوں اور یہودیوں اور مسلمانوں کے بزرگوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ وہ ہی آریہ سماج کی اس پُرانی رواداری پر دلالت کرتا ہے۔ اب آپ اس کے مقابلہ میں خدا اسلام کی رواداری ملاحظہ فرمادیں۔

بہ صاف ظاہر ہے۔ کہ جو مذہب یہ تعلیم دے کہ ہمارے ملک کے علاوہ جو دیگر ملک ہیں۔ ان کے کہنے والے ملیچھ اور آپہمیش ہیں۔ یعنی دوسرے الفاظ میں ان کی انسانیت میں ہی شبہ ہے۔ اب وہ مذہب یہ کہاں اور کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کے علاوہ کسی اور ملک میں ہی خدا کی طرف سے مخلوق خدا کی رہنمائی کے لئے ہادی یا رہنما آئے ہیں وجہ ہے کہ بانی آریہ سماج جناب سوامی دیانند صاحب نے اپنی

مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش میں حضرت مولائے جیسے اولوالعزم نبی اور حضرت مسیح جیسے علیمی کے دیوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بنی نوع انسان کے لئے رحمت اور برتری کی شان میں وہ وہ بے نقط سنائی ہیں۔۔۔۔۔ کہ اس دلخراش نقطہ عینی کی موجودگی نے آریوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایسے متوازی خطوط کھینچ دیئے ہیں کہ جن کا اتصال کہیں بھی نہیں ہو سکے گا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ نکتہ چینی نہ ہو۔ یہ شک ہو مگر مہذب رنگ اور معقول طریق سے اور نہ اس سوزندہ تنگ میں کہ جس پر تہذیب اور شرافت ہمیشہ ماتم کرے۔ یہ خلافت اس کے مذہب اسلام اور قرآن مجید صاف طور پر کہتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلے مذاہب ہنود۔ یہود۔ عیسائی۔ صابی۔ زردشتی وغیرہ بھی اپنے اپنی تعلیمات کے اندر صادق تھے اور صداقت رکھتے تھے۔

کس وضاحت سے فیصلہ کر دیا

کہ کوئی بستی اور کوئی امت بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جس میں کوئی بچی نہ آیا ہو۔ یہ کھکر لکل قوم رھا دگوریا فیصلہ کر دیا۔ کہ ہر امت بجائے خود کوئی نہ کوئی پیغمبر اور نبی نہ کہتی تھی۔ قرآن پاک کا یہ فرمان اور یہ تعلیم ثابت کر رہی ہے۔ کہ بلحاظ ایک مذہب اور ایک مذہبی کتاب ہونے کے اس کو کسی دوسرے مذہب سے وہ کاوش اور پرفاش نہیں ہے۔ جو کہ متعصب مذہب کو ہونی چاہیئے۔

اس رنگ میں قرآن مجید کیا چاہتا ہے

یہ تعلیم دیکھو اور یہ کہہ کر یہ چاہتا ہے۔ کہ نہ مسلمان اور نہ کسی دوسرے مذہب والے کسی دوسرے مذہب اور دوسرے مذہبی کتابوں کو صداقت سے محض غاری نہ سمجھے۔ اور ان کتابوں اور ان کے زندگیوں کی شان میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں۔ جو عداوت اور تہذیب سے باہر ہو۔ یہ تعلیم لا انفراق بین احد من رسلہ و قرآن پاک کہتا ہے کہ تم

رسالت اور مادی ہونے کی حیثیت سے کسی دوسرے مذہب کے بزرگ کا انکار کر دیا۔ یہ وہ اعلان ہے۔ جو قرآن اور اسلام کے مقابل میں کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکا۔ اور نہ کر سکتا ہے۔ اگر دوسرے لوگ جو مسلمان نہیں ہیں۔ ہنڈے دل سے اس تعلیم پر غور کرتے تو آج وہ جنگ و جدال مابین مختلف مذاہب کے نہ ہوتا جو اس وقت پایا جاتا ہے۔ بے شک اس میں ہم مسلمانوں کا ہی کسی حد تک قصور ہے کہ ہم نے یہی رسمی اسلام کے پابند ہو کر دیگر بزرگان مذاہب کی شان و ادب کو اس قدر ملحوظ نہ رکھا جس قدر واجب تھا۔ لیکن زیادہ تر اس میں دوسرے مذاہب کا ہی قصور ہے۔ باوجود اس کے کہ ہم کہتے ہی ہیں۔ کہ بھائی ہم تمہارے بزرگوں کی شان میں کچھ نہیں کہتے۔ مگر اس پر بھی بعض عیسائی اور ہندو ہمارے رسول مقبول کی شان میں اپنی زبانوں سے ایسے الفاظ نکالتے پر بھی باز نہیں ہتے جو نہایت گستاخانہ رنگ لکھتے ہیں۔

مثلاً ہم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں نہ تو کوئی لفظ خود کہتے ہیں۔ اور نہ کسی سے سن سکتے ہیں۔ کتنا بڑا فرق ہے۔ کہ بحث مباحثہ کے شیخ پر ایک مسلمان یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کچھ بھی نہیں کہتا۔ اور برخلاف اس کے عیسائی جو کچھ دل میں آتا ہے۔ کہہ گزرتے ہیں۔ اسی طرح ہم قرآنی تعلیم کے موجب ہمارا جہاد چندی جی ہمارا جہاد کرشن جی وغیرہ بزرگان ہنود کی شان میں اگر کوئی کلمہ بے جا نکالیں تو ہم پر ویسی ہی گرفت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اسلامی اصولوں کی شان میں کہہ کر۔ اب غور کرو کتنا بڑا فرق ہے۔ کہ جیب میں شری رام چند جی اور حضرت ہمارا جہاد کرشن جی کی نہاد یا قی پیلو لیکر بھی کچھ لکھتا ہوں۔ تو میرا قلم اس وقت لرز جاتا ہے۔ جب اس سے کوئی کلمہ بے ادبی کا نکل جاتا ہے۔

اسلام کی یہ روح داری کسی نہ کسی رنگ میں آ رہی ہے۔ ساج پر ہی اثر ڈالے بغیر نہیں رہی۔

چنانچہ اسلام کی رواداری کا ہی اثر ہے۔ کہ اب آریہ سماج کو بھی کچھ سمجھ آنے لگی ہے۔ کہ ہمیں اس ویدک عدم رواداری کو ترک کر کے دنیا میں حقیقی رواداری سیکھنا چاہیے۔

چنانچہ ۱۲ نومبر ۱۹۰۵ء میں یہ لکھا ہے کہ
 ”قانون قدرت کی اس ~~مصدقہ~~ صداقت کی تکمیل کے لئے ہمارا گوتم بدھ حضرت عیسیٰ حضرت محمد شری شکر پیار یہ گوزنا تک ظہور پذیر ہوئے اور اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق مذہب کی اصلاح کا کام انجام دیا۔“

یہ مسلمانوں کی ہی تعلیم کا نتیجہ قرآن پاک کی ہی رواداری کے طفیل ہے۔ یہی تعلیم ہے کہ ہم نے کوئی ایسی سیج نہیں چھوڑی جس میں کوئی تذیب نہیں بچھا۔“

اگر ویدک دھرم اسکو تسلیم کرتا تو پھر متوجی کو یہ کہتا نہ پڑتا کہ ہندوستان کے علاوہ جو ملک ہیں۔ وہ کچھ دیش کہلاتے ہیں۔ اور نہ ہی سوانی دیانند صاحب کو ستیا رتھ پرکاش میں مختلف مذاہب کے مادیوں کے برخلاف لکھ کر کوڑا مخلوق کے جذبات کی بے حرمتی کرنی پڑتی۔ یہ اسلام کا ہی عقیدہ ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حق شری کرشن جی ہی بزرگ اور شری رام چندر ہی واجب الاحترام۔ سوانج اسی ستن کو خوشی سے یا کر اہست سے آریہ سماج ہی دہرانے کے لئے مجبور ہوا ہے۔ کیا یہ اسلام کی بہترین رواداری تہذیب اوتھمن کی فتح نہیں ہے۔ اگر آریہ سماج اس اصول پر قائم رہے۔ تو اس کے ساتھ ہماری کوئی پرکاش اور مکہ ورت نہیں۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ اور ہم ہر وقت انہیں گلے لگانے کے لئے تیار ہیں۔

مختلف مذاہب کے مادیوں کی شان کو برقرار رکھ کر اور انکی عظمت کو از سر نو دنیا میں قائم کر کے اسلام نے دنیا کو جو..... بہترین رواداری کا سبق دیا تہذیب ہمیشہ اس پر فخر و ناز کریگی۔

یہ بنی نوع پر اسلام کا سقد احسان ہے۔ کہ ہندو اس سیلا میں جو کرشن جی ہمارا ج کی شخصیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اور رامائیس کے اترکانڈ میں جو رام چندر جی ہمارا ج کا ہندوؤں نے نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ اس بات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ کہ

باسن انچہ کرد آن آشنا کرد

مگر لاکھ لاکھ دواور سلام ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر جنہوں نے از سر قوائی بزرگوں کی عزت و احترام کو قائم کیا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ کل دنیا اور بنی نوع انسان پر اسلام نے آسودہ عظیم الشان احسان کیا ہے۔ کہ تہذیب اور تمدن رہتی دنیا تک اس پر ناز کرے گی۔

اسلام کی صداقت اور عیسائیت کی تحقیق کی شہادت

مشرقیوں پر ہندو تائید یا سوجو کلکتہ یونیورسٹی کے چانسلر اور ایڈیٹور یا کونسل کی میریہ جی میں تحریر فرمائی ہے "میں مذاہب کا ایک مطالعہ کیا ہے۔ میں نے کسی مذہب میں مسافرت کی ایسی روح نہیں پائی کہ ہندوؤں میں ذات پات کا ایک سخت نظام موجود ہے اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ آیا ہندو مذہب کی پکیزگی کے زمانہ میں ذاتوں کا نظام اسکا خاص جزو تھا یا نہیں۔ لیکن اس وقت یہ نظام موجود ہے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے۔ کہ بعض ذاتوں کے لوگ یہاں کے سرسبز اسکے ہاتھوں بعض اسکے پاؤں وغیرہ دیکھتے ہیں۔ کچھ ہیں۔ دیگر مذاہب میں سے جو اسلام سے ہنسنا پے کا ادعا کر سکتے ہیں۔ ہم یہودیوں کو دیکھتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل کو خدا کے مقبول بندے کہتے ہیں۔ عیسائیت کی نسبت ہندوستان میں شاہدہ میں آ رہا ہے کہ ہا پادریوں نے دیسی عیسائیوں اور ان کے یورپین پیائیوں نے ہی فرق و امتیاز کی صورت نکال لی ہے۔ اول الذکر (دیسی) عیسائی کہلاتے ہیں۔ جن کو زیادہ خوش قسمت دینی عیسائی جو یورپ میں پیدا ہوئے ہیں۔ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسلام کی ایک اور برکت یہ ہے کہ ان میں مذہبی طور پر مقدسین کا کوئی خاص فرقہ نہیں ہر مسلمان تمام مذہبی مراسم کو بجا لا سکتا ہے۔ میری رائے میں یہ نوع انسان کی برائیوں کے بڑے حصہ کو اس فرضی و مصنوعی برتری کے نظورات سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ جو اپنے زعم ناقص میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی نسبت رکھتا ہے۔ اور ایک آدمی دوسرے شخص سے اور ایک قوم دوسری قوم سے اپنے آپ کو افضل سمجھتی ہے۔ یہ مصنوعی عدم مساوات جو فراموشیاں ظہور میں لا سکتی ہے۔ مقدس پیغمبر کے وقت میں ہی موجود تھیں۔ لیکن مذہبی تعلیمات کی صحت بخش سپرٹ کے تحت میں ذاتی مثال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم پیدا کی جس میں افریقہ کا سیاہ فام فرزند کسی عربی قبیلہ کے مغرور ترین سردار کا ہم پلہ تصور ہوتا ہے۔

مرتب ہی نہیں۔ بلکہ پکی جمہوریت کا دلولہ۔ رواداری و مساوات کی خوبیاں اس دنیا کے ہر ایک گوشہ میں پھیلا دیں۔ پیغمبر اسلام نہ صرف ان محاسن کی تبلیغ کرتا تھا۔ بلکہ خود بھی ان پر عامل تھا یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں آج باوجود اس مقدس بزرگ (پیغمبر) کے انتقال کو تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے ایک خاکروب ہی دائرہ اسلام میں کسی بڑے سے بڑے خاندانی سے مساوات کا دعویٰ کر سکتا ہے۔“

مشہور بنگالی اہل قلم بابو بسین چند پال اسلام کی رواداری اور مساوات پر ایک طویل الذیل مضمون میں لکھتے ہیں۔

”عربوں کی اجتماعی جمہوریت میں اسلام نے وہ روح آزادی پیدا کر دی جس سے اس عہد کا کوئی مذہب یا فتنہ نہ تھا۔ اور اس وقت کی دنیا اس سے قطعی بگڑ رہی تھی اسلام نے اخوت اور برادری اور رابطہ پر جس قدر زور دیا۔ جس شد و مد سے اسپرٹل پیرا ہو اس کی مثال دنیا کا اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ اس میں ہندوؤں کی طرح کوئی ذات پات کا امتیاز موجود نہیں۔ نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ آج مغربی سچی اقوام کا شعار بن رہا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تاریخ جوش ملی اور مذہبی فدایت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔“

یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی کا جذبہ ہی تھا جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی زندگی اور خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور ایک فاتح کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہو کر ہزار ہا نفوس کی معاشرت و قلوب کو متاثر کیا۔

اسلام نے یہاں آکر ہمیں جدید آئین و قوانین سے روشناس کیا۔ نئے طریقہ ہائے انتظام بتائے حکومت کے جدید اغراض و مقاصد سے واقف بنایا۔ اور ہندوستان کے مختلف افراد و مختلف صوبوں میں ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو پیشتر کی نسبت کہیں زیادہ وسیع اور سیاسی و اقتصادی مفاد و مقاصد کی حامل تھی۔ مسلمانوں نے انگریزوں کی آمد سے ایک مدت پیشتر ہی ہندوستان کی سلطنت کو منظم اور قوم کو متحد کر نیک فح و خرف حاصل کر لیا تھا۔“

مسٹر سروجنی نیڈون نے ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو مسجد دوکنگ لندن میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس مذہب کی تبلیغ کے لئے مبعوث کیا گیا تھا بے تعصبی اس کا

ایک اور عجیب و غریب پہلو تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل وطن نے سسلی پر حکومت کی۔ اور مسیحی سپین پر سات صدیوں سے نائیک زمانہ تک کو "لمن الملک" بجایا۔ لیکن انہوں نے کسی حالت میں بھی رعایا کے حق عبادت و پرستش میں دست اندازی نہیں کی وہ عیسائیت کا احترام اس لئے کرتے تھے۔ کہ قرآن کریم انہیں غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ کرنا سکھاتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کم و بیش ایثار علی النفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اسلام اس بارہ میں سب سے آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی خدمت تعلیم اسلام کا سرمایہ ناز ہے۔ اسی لئے اسلام نے عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے روبرو پیش کیا ہے۔ دنیا اس اصول کی پیروی کرنے سے خوش حال ہو سکتی ہے۔"

صداقت اسلام پر سوامی دیانت کی شہادت

۱۰۰

سوامی دیانت کے الفاظ میں ہند میں آغاز اسلام تک مندرجہ ذیل برائیاں پیل

بہی نہیں۔ (دیگھوشیا رتہ پرکاش سمولاس ۱۱)

تقاق۔ منکر۔ غرور۔ جہالت۔ سستی۔ بے تہمتی۔ حسد اور بغض نفس پرستی۔ غفلت۔

بداد صافی۔ بد فتنی۔ برہمنوں کا بے علم ہونا اور کشتری۔ دیشیہ۔ شودروں کا جاہل رہنا۔

وید شاستروں کے یا معنی پڑھنے کے سلسلے کا ترک ہونا۔ برہمنوں کا روزی کی خاطر معبود

بننا اور سورگ اور مکتی کا واحد ٹھیکیدار بننا۔ برہمنوں کا زمین کا داتا بننا اور ان کے الفاظ

کو پریشور کے الفاظ سمجھنا۔ رشی اور مینیوں کی کتابوں میں تحریف کر کے بناوٹی باتیں

ان میں ملانا۔ براہمنوں کا سترائے سے بری ہونا۔ برہمنوں کی اجازت بغیر سونا۔ اٹھنا بیٹھنا

کھانا۔ پینا۔ خلافت منشاء پریشور ہونا۔ آپس میں لڑنا جھگڑنا۔ برہمنوں کا اپنی اور اپنے

پاؤں کی پوجا کرنا۔ لوگوں کا شراب پینا وغیرہ وغیرہ۔

بعد ازیں ایک اور اصلاح یافتہ فرقہ اٹھا۔ جو شوہا راج کی پوجا کرتا تھا جس

سے جل دہاری وغیرہ کی پوجا شروع ہوئی۔ اور راجا کش کی مالا اور خاک لگانا شروع کیا

ہمارے زمانہ کے ویدک مصلح سوامی دیانتد صاحب اپنی عرصہ تک شومت کے پیرو رہ چکے ہیں۔ سوانح عمری سوامی دیانتد صفحہ ۵۵ مصنفہ مہتہ راوہاکشن ساکنان ہند اور ویدوں کے ماننے والوں میں مندرجہ بالا خرابیاں دیکھ کر جو مصلح یعنی بدھ پیدا ہوا۔ وہ منکر خدا تھا۔ ویدوں کی مذمت کرنے والا اور تمام ویدک رسموں کو دور کرنے والا تھا۔ اس کے پیروؤں نے بت پرستی کو زور و شور کے ساتھ رواج دیا۔ گویا مصلح فرقہ نے مندرجہ بالا خرابیوں کے ساتھ چند اور خرابیوں کو ملا دیا۔ یعنی انکار خدا اور بت پرستی کو رواج دیا۔

اس کے بعد وید کے حامیوں میں ایک اور مصلح ہوا۔ یعنی شنکر اچاریہ اس نے ہمہ ادست کے عقیدہ کا رواج دیا۔ اور قدامت مادہ و روح کو چیلے کاٹ دیا۔ ذرہ ذرہ دنیا کا اس کے نزدیک ایشور تھا۔ گویا اس مصلح کے وقت ہی ویدک دھرم تھا۔ کہ دنیا کی ہر چیز کو ایشور سمجھا جاوے۔

حب تحریر سوامی دیانتد صاحب جس زمانہ میں اسلام کا آغاز ملک عرب میں ہوا۔ گویا اسلام کے نزول کے وقت ہند میں دام مارگی۔ بدھ۔ جینی۔ ہمہ ادستی وغیرہ مندرجہ بالا تعلیمات کے ساتھ موجود تھیں۔ ان خرابیوں کی موجودگی میں آریہ ورت کو ایسا ہی تعلیم کی ضرورت تھی۔ جو انکو خالص تو حید کا سبق دے کر ان خرابیوں کو دور کرے۔

سوامی دیانتد صاحب کے خیالات کو چھوڑ کر اب اس کے ایک پیلے کی کتھا اس بارہ میں سنئے۔ لالہ کانشی رام وکیل چیف کورٹ پنجاب پر وہاں آریہ سماج ملتان اپنی کتاب ”ایشور درشن“ کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔

ویدک زمانہ کے بعد جب دھرم میں تنزل آگیا۔ تو لوگ ویدک یگیہ یعنی سحر قربانی و خود انکاری کو بھول گئے۔ بجائے اس کے حیوانی قربانیاں رائج ہو گئیں۔ یگیہ میں پشو بدھ یعنی ہلاکت جانوروں کو جائز قرار دیا گیا۔ پہلے ذاتوں کی امتیاز نہ اوصاف و اعمال سے ہوتی تھی۔ اب جنم سے ذاتوں کی تمیز ہونے لگی۔ برہمنوں

نے اپنے لئے بلحاظ جنم خاص خاص حقوق قائم کر لئے۔ راستبازی کی بجائے
سیرونی رسومات دہرم کہلانے لگیں۔ ایسی حالت میں ایک ایسے ہاتھ کی ضرورت
ہوتی۔ جو راست بازی اور زندگی کی پاکیزگی کا سبق سکھلاوے۔ اس مطلب کو پورا
کرنے کے لئے ہاتھ باندھ پیدا ہوا۔ انہوں نے جوانی قربانیوں کی تردید کی۔ ہندو
کی تعلیم دی۔ فرضی ذات پات کی تمیز کو اڑا دیا۔ کرم کے مسئلہ کو پھر فروغ دیا۔
راست بازی کی تعلیم دی۔ سیرونی رسومات کی تردید کی۔ غرضیکہ ہاتھ نے اصلی
ویدک دہرم کے اخلاقی پہلو کو از سر نو زندہ کیا۔

ہاتھ باندھ کی خاص اور غیر معمولی قابلیت ضروری تھی کہ اس نے پرماتما سرچشمہ
فرائض و دہرم کی ضرورت محسوس نہ کی اور اس لئے اس کی تلاش کی پرداہ نہ کی۔ اس نے
عرفت دہرم سے بجا آوری فرائض و راستبازی کو انسان کی زندگی کا مقصد اعلیٰ
سمجھا۔ لیکن ہر شخص بدھ نہیں ہو سکتا۔ کمزور انسان پر ماتما کی امداد کے بغیر دہرم کے
مارگ پر چل نہیں سکتا۔ دہرم سرچشمہ دہرم (پرماتما) سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ بدھ نے
سچے دہرم کو بحال کیا۔ الا دہرم پر چلنے کے لئے اس نے محض انسانی طاقت انسانی
کوشش کو کافی سمجھا۔ یہی عقیدہ دہرم کی بے چلنی کا موجب ہوا۔ کیونکہ اسی خیال نے
کہ مکتی پانے کیلئے پرماتما کی امداد و فضل کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگوں کو ناشک بنادیا
رفتہ رفتہ بدھ دہرم کے مذہبی پیشوا عیش پسند ہو گئے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بدھ
دہرم میں نہ وال آگیا۔ بدھ نے ویدوں کے علی دہرم کو از سر نو فروغ دیا تھا۔ بدھ کے
سیر و قل میں ناشک پن پھیل گیا۔ بُت پرستی اور بدعتوں نے اپنا تسلط بحال کیا۔ راست
بازی کا نام و نشان نہ رہا۔ اسی زمانہ میں چین مت نے فروغ پانا شروع کیا۔ یہ مت
بھی پرماتما کے وجود سے شکر تھا ویدوں کی سر زمین میں ایسے ناشک متوں کا سرسبز
رہنا نامکن تھا۔ لہذا ایسے زمانہ میں ایک ایسے ہاتھ کی ضرورت تھی۔ جو انسانوں کے
دلوں پر پرماتما کا راج از سر نو قائم کرے۔ اس مطلب کو پورا کرنے کے لئے سوامی
شنگرا چاریہ جی پیدا ہوئے۔ جنہوں نے دنیا میں پرماتما کے سوتے ہوئے خیال کو

بیدار کیا۔ لا خدا متوں کو پامال کیا۔

اگرچہ بدھ اور جین مت کی کمک میں آریہ ورثے کی بھاری مدد چاہا مگر موجودہ تہذیب و تمدن کیلئے بال برہمچاری سوانی شکر چاریہ نے ویدوں کا آسرا ضرور لیا۔ لاکھوں سال پہلے کو چھوڑ کر اپنے آپشنوں کو پی وید سمجھ لیا۔ ناشک متوں کے مقابلہ میں اس نے ایشور داد کا پرچار کیا۔ ایشور کے پریم میں یہاں تک فخر ہو گیا کہ بدھ اور جین کی ایکتا کا دھڑکنا شروع کیا۔ صداقت کی حد تک سے تجاوز کر گیا۔ ایشور کے وجود سے انکار کرنا یا ہمہ دست کا مسئلہ امتداد دونوں غایت حدیں میں ختم کر چاریہ نے ناشکوں کو فتح کرنے کے لئے ایشور داد کو ہمہ دست تک پہنچا دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ گو بدھ و صرم دیش سے نکل گیا۔ آستکتا کا یوں بالا ہو گیا کہ عرصہ بعد پھر تنزل شروع ہو گیا پورا ملک مت نے زور پکڑا۔ ویدوں کی ادویت مت پر ہم کو چھوڑ کر یہ شام و دیوتاؤں کی پوجا شروع ہونے لگی۔ لوگ پورا ملک تو ہات میں پھنس گئے۔ اس تنزل کی حالت میں اسلام نے آریہ ورت پر طعنا کیا۔ اسلام کی وحدانیت کے سامنے آریہ ورت کی بت پرستی نے سر جھکا دیا۔ بت پرستی اور شرک خدا پرستی کی تاب نہ لائے۔ آخر پورانا تک دھرم اور پورا ملک رات کو اسلام نے مغلوب کر لیا۔

گورو اور چیلے کے اختلافات یا بھی کو علیحدہ رہ کر ایک صداقت کا پیا سا اسلام کی ضرورت کو آریہ ورت کے لئے ضروری اور لازمی سمجھے گا۔ کیونکہ آریہ ورت کے چار پانچ ہزار کے مسلمان وقت کی کوئی شے اس ملک کی اخلاقی اور روحانی بنیادوں کو دودھ کرنے میں سخت ناکام ہو چکی تھیں۔ اب انسانی جدوجہد کے مقابلہ پر ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی۔ جو شکر چاریہ اور بدھ کی افراط و تفریط سے میرا ہوا جس کی تعلیم انہی سرچشمہ سے ہو جو کہ اس وقت گدلا ہو رہا تھا۔ نہ انسانی کوشش کا نتیجہ ہو کہ یا تو الہام الہی سے بدھ کی طرح منکر ہوا اور نہ شکر چاریہ کی طرح انسانی اڈا الہی کلام میں تمیزی نہ کر سکے۔ اور یہ کام سو اہام ربانی کے اور کوئی انسان نہیں کر سکتا تھا سو خدا نے دنیا پر اپنا فضل کیا۔ اور ملک عرب میں ایک ہدایت پاک انسان کو دنیا کی ہدایت کے لئے آنا۔ جس نے مدت مدید کے شرک و اتحاد اور معاشرتی و تمدنی غلامیوں

کو دور کر کے دنیا میں توحید کا نام روشن اور لوگوں کو تہذیب و اخلاق کی دولت سے مالا مال کیا۔ صرف ہندوستان پر ہی کیا موقوف ہے۔ اس وقت تمام دنیا سخت اندھیرے میں تھی۔ بحر و بر پر سخت گہٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ چونکہ دیگر مالک کا سوال اس وقت ہمارے معنوں کا موضوع نہیں ہے۔ اسلئے ہم اسے ترک کرتے ہیں۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو اس کے لئے ایک الگ کتاب لکھی جائے گی۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قبل از اسلام آریہ ورت کے مصلح بیچارے یا تو دیدے ہی منکر ہو گئے۔ جیسے بدھ یا دیدوں کی جگہ اُپ نشدوں کو دید سمجھ کر ان کی تعلیم کا پرچار کرتے رہے جیسے شکر آچاریہ۔ پھر ہم اپنے دوستوں کو چھتے ہیں۔ کہ دیدوں کی روحانیت سے پانچ ہزار سال قبل اسلام کو منار قمہ اپنے منجانب اللہ ہونیکا دکھایا۔ کہ بدھ و دوان نے دیدوں کی بعض سوگات کی وجہ سے انکی پیروی مقبول تھی۔ اور اسکے بعد دوسرے مصلح شکر آچاریہ اس سے دوسرا پہلو اختیار کر لیا۔ اور ہر چیز کو خدا بنا بیٹھا گویا پانچ ہزار سال کے عرصہ میں کسی بزرگ عالم دید نے دید کی و ہدایت کا پردہ نہ کھولا۔ اب اسلام کی روز روشن تعلیم کو دیکھ کر اگر کوئی دیکھ مصلح دیدوں سے و ہدایت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی حقیقت صاف ظاہر ہے۔

اس کے قابل قبول نہ ہونے پر ایک زبردست دلیل اور جی ہے۔ کہ جیت تک ایسے مدعی کو مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ نہیں پڑا۔ اور باوجود علمیت و یکے خود ہی ہمہ اوتی اور شومت کا پیرو رہا اور اپنی عمر کے ۴۴ سال ایسے ایسے فرقوں کی تائید اور ترویج میں بسر کئے۔ فتد بردایا ادنی الا بصار۔

فاترہ معنوں پر لالہ لاجپت رائے صاحب کی یہ رائے ضرور قوم سے سنی جائے گی کہ ہندو دھرم کی یوسیدہ دیوار اسلام کے زبردست و ہدایت کے گولے کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی۔ (اجنڈا کیل اتر سرگم دسمبر ۱۹۲۶ء یوواہ پرتاب)

اب میں اس معنوں کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ کہ چاہے ہندو یا یوں اسلامی و ہدایت اور تہذیب و تمدن کی متغیر ہونکی کوشش کی ہے خداوند تعالیٰ انکو دلوں کو یہی اسلام کیلئے فراخ کرے۔ تاکہ یہ تمام سد و کو عبور کر کے حقیقی معنوں میں اسلام کے نور سے منور ہو کر دین و دنیا کے منار کو وارث بن سکیں۔ آمین۔

— دیار رب العالمین —